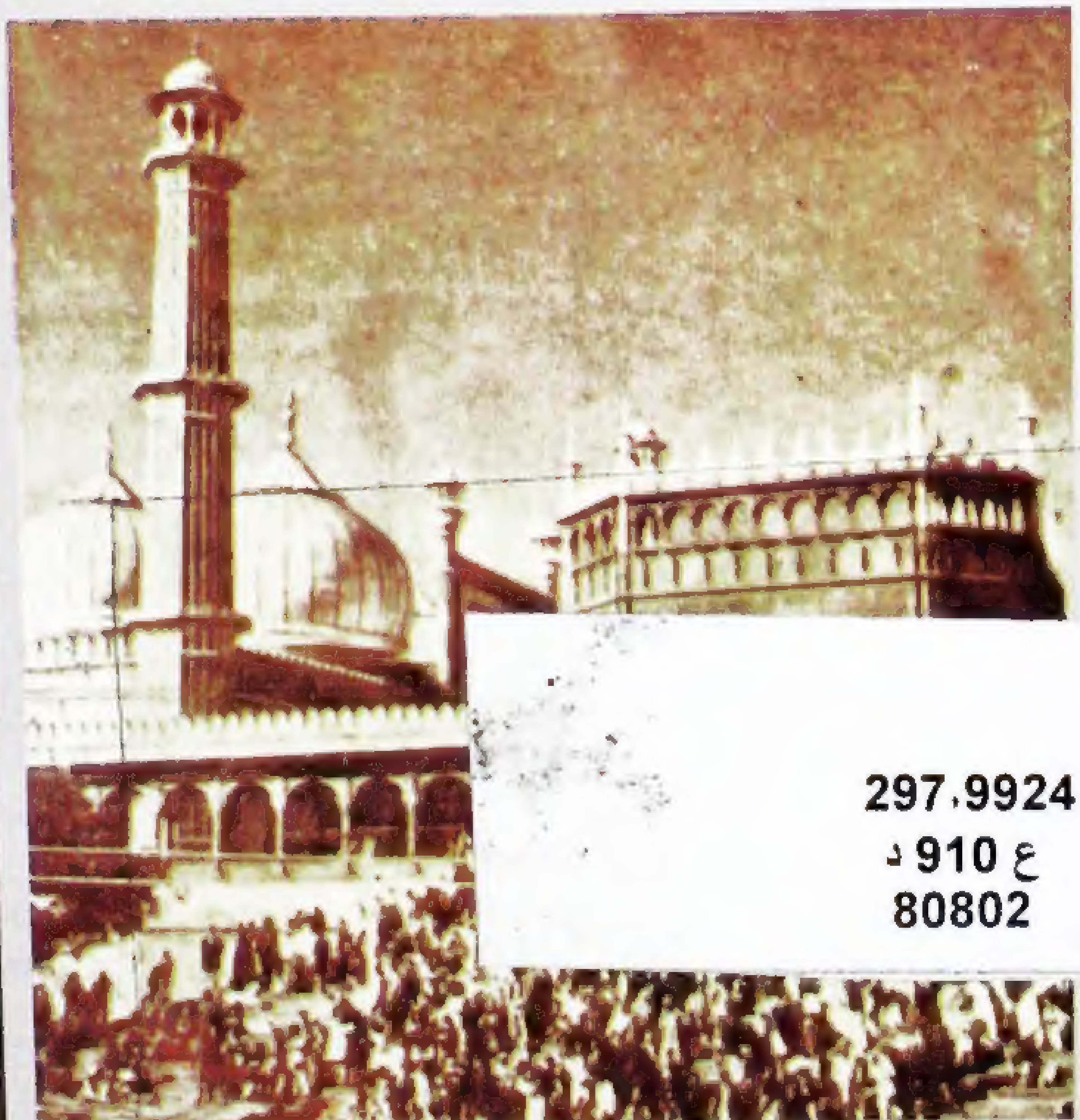
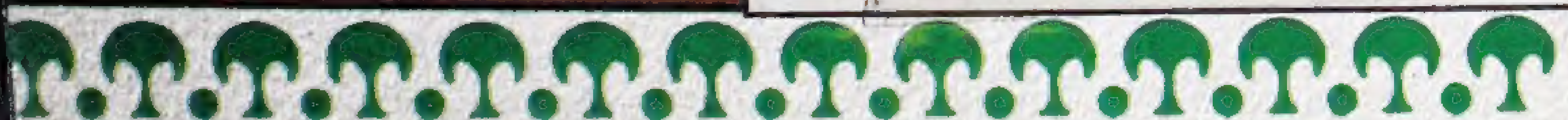
دہلی

زیارات و آثار

از

سردار علی احمد خان





دہلی

زیارات و آثار

تصنیف و تالیف

سردار علی احمد خان

ناشر: طاہر احمد خان۔ ایڈوکیٹ

29۔اے، لٹن روڈ، لاہور

نام کتاب	دہلی زیارات وآثار
مصنف ومؤلف	سردار علی احمد خان
ناشر	طاہر احمد خاں 29۔اے، لٹن روڈ، لاہور
کتابت	زاہد چشتی
تعداد	۵۰۰
تاریخ اشاعت	شوال ۱۴۱۰ھ مئی ۱۹۹۰ء — پہلا ایڈیشن
	ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مئی ۲۰۰۷ء — دوسرا ایڈیشن

قیمت ۲۰۰

تعاونِ خصوصی: محمد حنیف، جنید امین، جواد امین، محمد امین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دہلی تاریخ کے آئینہ میں

کسی ملک و قوم کی داستان عروج و زوال کے گواہ آثار قدیمہ ہوتے ہیں ان کے نقوش اپنے اندر ہزیمتوں اور ناکامیوں کے داغ چھپائے ہوتے ہیں۔ ان میں جرأت و استقلال کی کتنی ہی داستانیں مدفون ہوتی ہیں اور ظلم و بربریت کے افسانے بھی، آثار قدیمہ میں جہاں بادشاہوں کے جاہ و جلال کی نشانیاں بھی ملتی ہیں وہاں غربت و افلاس کے مارے ہوئے عوام کی بے سروسامانیاں بھی مستور ہوتی ہیں یہ ہمارے شاندار ماضی کی امانت اور ہمیں تاریخی تسلسل کا احساس و شعور دلانے کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔ خصوصاً قوم کی نوجوان نسل کو ایک نیا ذہن، نیا خیال اور ذہنی فکر کو جلا دینے کا اہم کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ دہلی کے آثار قدیمہ مسلمانانِ برصغیر کے سیاسی، معاشرتی، تمدنی اور معیشتی پس منظر کو سمجھنے میں معاون ہو سکیں گے

مسلمان زائر کے لئے دہلی ایک مرقعٔ عبرت اور افسانہ حسرت ہے۔ یہ ہماری عہد رفتہ کی اقبال مندیوں کا نمونہ ہے شکست و ریخت سے دوچار شاہی عمارات کے آثار دیکھنے سے بڑی عبرت اور رقت ہوتی ہے لال قلعہ دہلی کے دربار عام اور دربار خاص حمام، مسجد اور مثمن برج کو ہی لے لیجئے۔ مغلوں کے دور حکومت میں ہر کس و ناکس کو خواب میں بھی یہ جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ وہ ان جگہوں پر قدم رکھ سکتا بڑے بڑے عمائدین سلطنت، ہفت ہزاری اور پنج ہزاری امرائے مملکت صرف دربار عام تک رسائی کو اپنے لئے فخر و مباہات اور خصوصی سعادت سمجھتے تھے وہ تخت گاہ جس کے سامنے رؤسا نواب، راجے مہاراجے اور اراکین سلطنت تعظیمی سجدہ ادا کرکے اپنی وفاداری کا اظہار کیا کرتے تھے اور اس کے پایہ کو بوسہ دیتے تھے آج اس پر ادنیٰ سے ادنیٰ بھارتی شہری جو لال قلعہ میں داخل ہوتا ہے پاؤں رکھتا ہے

مسلمان بادشاہ، کشورکشا اور ان کے خدم وحشم، درباری، اراکین سلطنت سب لد گئے، صرف سنگ وخشت کی عمارت عبرت کا نشان بنی کھڑی ہیں اور اپنی بے زبانی کی زبان سے مسلمانوں کے اقبال وادبار کی داستان بیان کرتی ہیں کون دردمند مسلمان اس پر بلبلا نہ اٹھے گا اور حمیت والی کونسی وہ آنکھ ہوگی جس سے آنسو ٹپ ٹپ نہ بہہ نکلیں۔

حکیم سید عبدالحئی نے اپنے سفرنامہ میں دہلی کا مرثیہ یوں بیان کیا ہے :۔

"اے دہلی تیرے وہ لوگ کہاں ہیں جو تیری زیب وزینت کا باعث تھے، جو تیرے آسمان کے ستارے تھے، تیرے وہ دلاور کہاں ہیں جو راجپوت اور راٹھور بہادروں کی صفیں درہم برہم کردیتے تھے، تیرے وہ بزرگانِ دین کہاں ہیں جن سے ملائکہ مصافحہ کرتے تھے وہ اہل کمال کہاں ہیں۔ جن سے استفادہ کرنے کو سارے جہان کے لوگ آتے تھے ...... دلّی تو وہی ہے جس میں قطب الدین ایبک کا تہور، شمس الدین التمش کی اولعزمی۔ غیاث الدین بلبن کی تدبیر، مسلمانوں کے اقبال وظفرمندی کا نمونہ تھی ...... تو وہی دلّی ہے جس کے لعل وگوہر دربارِ اکبری کے زیب وزینت تھے ... اے خاک پاک دلّی تجھ میں سینکڑوں خانقاہیں اور مدرسے تھے ان بزرگوں کو تو نے ہی اپنے آغوشِ تربیت میں پالا تھا جن کی جوتیوں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔

دہلی یہ مرثیہ تیرا نہیں برصغیر میں بسنے والی پوری مسلم قوم کا ہے۔

ہر کرا بینم دریں عبرت سرائے
بہر مردن زندگانی می کند

دہلی شہر ۳۹ - ۲۸ ڈگری شمال اور ۱۶ - ۷۷ ڈگری مشرق پر بھارت کے وسط میں واقع ہے اوسط سطح سمندر سے اس کی اونچائی سوا سات سو فٹ کے قریب ہے اس کا فاصلہ لاہور سے ۳۲۰ میل اور کراچی سے ۷۹۰ میل اور پشاور سے

۵۸۵ میل ہے دریائے جمنا اس کے قریب سے بہتا ہے جس میں سے نہریں نکلنے کے سبب دریا کا پانی قدیم زمانے سے بہت کم رہ گیا ہے اراولی پہاڑ کا سلسلہ دہلی پرانت کے درمیان سے ہو کر نکلتا ہے اس کی دو شاخیں ہو گئی ہیں ان میں سے ایک ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی مشہور پشت کوہ (ریجز) ہے جو سطح مرتفع کی شکل میں ایک کلومیٹر کے قریب چوڑی ہے۔ یہ حصہ پتھریلا ہے اور اس پر پہاڑی کیکریں اگی ہوئی ہیں۔

مشہور مسلم مورخ ابوالقاسم فرشتہ جو سلطان محمد بن تغلق کے عہد حکومت (۱۳۲۴ء تا ۱۳۵۱ء) میں موجود تھا لکھتا ہے کہ دہلی کو سکندر اعظم کے حملہ ہندوستان (۳۲۷ ق م) سے پہلے ایک زمیندار مسمی دہلو نے یہاں ایک گاؤں بسایا اور یہ گاؤں دہلی کے نام سے مشہور ہوا دوسری روایت کے مطابق راجہ انگ پال جو تور راجپوت تھا نے یہاں بکرمی سمت ۴۲۹ ب میں اپنی عمل داری قائم کی۔ شہر کو بسانے سے قبل یہاں لوہے کی ایک لاٹھ گاڑی تھی جو کہ ڈھیلی رہی اس لئے شہر کا نام ڈھیلی یا دہیلی پڑ گیا۔ دِل ہندی زبان میں سطح مرتفع کو کہتے ہیں چنانچہ ایک مرتفع خطے پر آباد کئے گئے شہر کو دہلی کا نام دیا گیا۔

اہل ہنود روایت کرتے ہیں کہ مہا بھارت کی جنگ سے چند سال قبل قدیم ترین دہلی کی "اندرپرستھ" نامی بستی کی آبادکاری پانڈو برادران کے سربراہ خاندان راجہ یدھشٹر کے ہاتھوں عمل میں آئی اس شہر کا محل وقوع پرانا قلعہ تھا جو موجودہ دہلی سے تقریباً ۳ میل کے فاصلے پر ہے۔

راجہ انگ پال نے جو دہلی شہر آباد کیا اس کے قلعہ کی عمارت ۱۰۸۰ء میں تعمیر ہوئی سرخ پتھر سے بنائے گئے اس قلعہ کو "لال کوٹ" سے موسوم کیا گیا۔ چنانچہ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی حیثیت سے دہلی کی اہمیت گیارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی ہے

سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے وقت دہلی میں راجہ مہی پال اور اس کا بیٹا راجہ انند پال حکومت کرتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے قنوج سے سومنات تک ہندوستان کے مختلف شہروں پر کئی مرتبہ حملے کئے لیکن اس نے دہلی کا رخ نہیں کیا۔ مسعود سالار

غازی نے مہی پال کو شکست دی وہ دہلی سے فرار ہوا لیکن راستہ میں مر گیا۔ اس کا پسر انند پال مسعود سالار غازی سے نبرد آزما ہوا اور اس نے دست بدست لڑائی میں سالار غازی کے چہرے۔ ناک اور ہونٹوں کو مجروح کر کے میدان سے نکل بھاگا۔ اس مبارک دن سے مسلمانوں نے دہلی میں سکونت اختیار کی۔ سالار مسعود جن کو ہند میں رجب سالار۔ غازی میاں اور بالا میاں کہتے ہیں فتوحات کرتے بہرائچ جا پہنچے جہاں وہ سورج کنڈ کے مقام پر شہید ہو گئے۔ دہلی ایک بار پھر تور راجپوتوں کے قبضۂ اقتدار میں آ گئی لیکن ۱۱۵۱ء میں اسے چوہان راجہ رائے پتھورا نے فتح کر کے اپنا اقتدار قائم کیا۔ دہلی کو وسیع کیا اور شہر کے گرد ایک پختہ فصیل بنوائی اب دہلی کی آبادی کے تقریباً وسط میں لال کوٹ کی عمارت آ گئی۔

تزک تیموری میں لکھا ہے کہ راجپوتوں کی آباد کردہ دہلی کے دس دروازے تھے اور شہر کی فصیلیں کافی اونچی اور لمبی تھیں۔ مسلمان فاتحین نے اس میں مزید اضافے کئے اور فصیلوں کو زیادہ مضبوط بنایا۔

رائے پتھورا نے مسلمان حملہ آوروں کے خلاف کئی جنگیں لڑیں۔ یہ بڑا دلاور اور منچلا راجپوت تھا اس نے سلطان شہاب الدین غوری کو ۱۱۹۱ء میں شکست دی، لیکن دو سال بعد یعنی ۱۱۹۳ء میں وہ شہاب الدین غوری سے شکست کھا کر قتل ہوا اس کے قتل کی پیش گوئی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ نے کی تھی۔ ۱۱۹۳ء میں دہلی پر اسلامی حکومت کا پھریرا لہرایا۔ غوری نے اپنے جرنیل قطب الدین ایبک کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس نے کسی وقت ۹۸-۱۱۹۳ء کے درمیان ایک بڑی اور عالی شان مسجد "قوت الاسلام" اور قطب مینار کی بنیاد ڈالی، ان دونوں عمارات کی تکمیل اس کے داماد سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوئی۔ قطب مینار مسجد قوت اسلام کا ماذنہ تھا (جہاں سے مؤذن پانچ وقت اذان کہا کرتا تھا) یہ مینار پانچ منزلہ ستون ہے جس کی اونچائی ۲۵۸ فٹ ہے نیچے کی چار منزلوں کے اوپر باہر نکلا ہوا کٹہرا ہے جس کے اوپر مینار کے گرد گھوم سکتے ہیں۔ قطر جڑ میں ۴۷ فٹ اور چوٹی پر ۹ فٹ ہے اس کے اندر چکر کھاتی ہوئی سیڑھیاں ہیں جن کی تعداد چوٹی تک ۳۷۸ ہے اس کی سب سے نچلی منزل میں قطب الدین ایبک اور شہاب الدین محمد غوری کے نام کندے ہوئے ہیں اوپر کے تین درجوں میں سلطان شمس الدین التمش

ہوا مقبرہ ہے ایک زینے کے ذریعے نیچے اتر کر ایک [illegible] میں [illegible] جس کی چھت گنبد نما ہے [illegible]
جو ہندوستان میں شمس الدین التمش کا مقبرہ بھی ہے جو خشت و ریگ سے [illegible] ہے [illegible]
کے مقبروں میں قدیم ترین مقبروں میں شمار ہوتا ہے۔ سلطانہ رضیہ کا دور حکومت [illegible]
یعنی ۱۲۳۶ء سے ۱۲۴۰ء تک۔ [illegible] ایک عورت رضیہ سلطانہ [illegible] تخت
پر جلوہ افروز ہوئی ہے رضیہ سلطانہ کا مقبرہ [illegible] ترکمان گیٹ کے نزدیک [illegible]
کے نام سے موجود ہے جسے بہرام شاہ نے ۱۲۴۰ء میں تعمیر کرایا [illegible]
عرف فیروز شاہ [illegible] کا مقبرہ [illegible] سلطان التمش کے پوتے علاؤ الدین مسعود
نے معز الدین بہرام شاہ کو معزول کر کے خود تخت پر بیٹھا۔ بہرام شاہ کا مقبرہ ۱۲۴۲ء میں تعمیر کرایا مسعود
۱۲۴۶ء میں معزول کیا گیا اور تخت و تاج کا وارث ناصر الدین محمود بن التمش قرار پایا۔ اس کا ترک
سپہ سالار اور خسر الغ خاں بڑا مستعد اور انتظامی صلاحیتوں کا مالک تھا جو بعد میں غیاث الدین
بلبن مشہور ہوا۔

ناصر الدین محمود بڑا پارسا تھا اس نے شاہی خزانہ سے اپنی ذات پر ایک روپیہ کبھی خرچ نہ کیا۔ سادہ زندگی بسر کرتا اور کتابت کر کے اپنی روزی پیدا کیا کرتا تھا۔ اس کی ملکہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی۔ اس کے دربار کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی، حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی، شیخ بدر الدین اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے کئی بار اپنے ورود مسعود سے رونق بخشی۔ ناصر الدین محمود کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس نے ۲۰ برس حکومت کی ۱۲۶۵ء میں اس کی وفات کے بعد غیاث الدین بلبن سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کا بیٹا شہزادہ محمد بڑا باکمال اور بہادر انسان تھا اور اہل علم و فضل کا قدر دان۔ حضرت امیر خسروؒ اس کے اہل دربار میں سے تھے، شہزادہ محمد مغلوں کے خلاف معرکہ آرائی میں بمقام ملتان کام آیا۔ اور اس صدمہ سے ۱۲۸۶ء میں بلبن چل لبسا۔ غیاث الدین بلبن نے لال کوٹ میں "لعل محل" تعمیر کرایا۔ "قلعہ مرزغن (غیاث پور)" جو حضرت نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ کے مقام پر واقع ہے اسی کا تعمیر کردہ ہے۔

بلبن کے بعد اس کے دوسرے بیٹے بغرا خاں محمود کا اٹھارہ سالہ بیٹا کیقباد دہلی کا سلطان بنا جس نے ۱۲۸۷ء سے ۱۲۹۰ء تک حکومت کی۔ اسے خلجی سردار شائستہ خان نے قتل کیا اور

خود جلال الدین فیروز شاہ خلجی کا لقب اختیار کر کے ۷۰ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا خلجیوں کی حکمرانی ۱۲۹۰ء سے ۱۳۲۵ء تک رہی اس کے داماد اور بھتیجا علاؤالدین خلجی نے اسے قتل کر کے خود حکومت سنبھال لی۔ اس کا عہد حکومت ۱۲۹۵ء سے ۱۳۱۵ء تک رہا اس نے قطب مینار کے شمال میں دو میل کے فاصلہ پر ایک حوض خاص بنوایا اور قطب مینار کی طرز پر ایک مینار کی تعمیر شروع کرائی جو نامکمل رہی اور اسے موت نے آ لیا۔ علائی مینار اب تک موجود ہے اور علائی دروازہ بھی۔ علاؤالدین خلجی بڑا فاتح تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ بڑا جابر بھی تھا اس نے جیسلمیر، رنتھمبور اور چتوڑ وغیرہ کے بڑے مضبوط راجپوتی قلعوں کو فتح کیا۔ اس نے ایک نئے شہر "سیری" کی ۱۳۰۳ء میں بنا ڈالی جو لال کوٹ سے ملحق ہے۔

قطب الدین خلجی نے اسی جگہ ایک عالی شان محل بنوایا جس کے ہزار ستون تھے، اسے "قصر ہزار ستون" کے نام سے موسوم کیا۔ اب اس مقام پر "شاہ پور" گاؤں کی بستی ہے قدیم شہر کھنڈرات کی شکل میں کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے یہاں علاؤالدین کا مقبرہ اب خستہ حالت میں ہے اور علائی دروازہ کے بائیں جانب واقع ہے اس مقبرہ کی تعمیر ۱۳۱۵ء میں قطب الدین مبارک شاہ اول خلجی بادشاہ نے کرائی تھی۔

علاؤالدین خلجی کو اس کے ایک مصاحب اور جرنیل ملک کافور نے زہر دے کر مار ڈالا اور اس کے کمسن بیٹے شہزادہ شہاب الدین عمر کو ۱۳۱۵ء میں شاہی گدی پر بٹھا دیا۔ مگر وہ خود ۳۵ دن کے بعد قتل ہو گیا اور قطب الدین مبارک شاہ اول نے تین ماہ بعد ہی اپنے بھائی شہاب الدین کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن وہ خود ایک نومسلم درباری خسرو خان کے ہاتھوں ۱۳۲۰ء میں قتل ہو گیا۔ اسی سال صوبہ پنجاب کے گورنر ملک غازی بیگ تغلق نے دہلی پر حملہ کر دیا اور حوض خاص کے قریب لڑائی میں خسرو خان شکست کھا کر ایک قبر میں جا چھپا اور قتل کر دیا گیا اور اس طرح خلجی خاندان کی بادشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔

ملک غازی بیگ نے غیاث الدین تغلق کا لقب اختیار کیا اور تغلق شاہی خاندان کی بنا ڈالی۔ تغلقوں کے عہد حکومت میں ایک ہی طرز کی بہت سی عمارات تعمیر ہوئیں

افغانی الاصل بادشاہان ہند۔ خاندان سادات اور لودھی بادشاہوں کے زمانہ میں عمارتوں

کی بناوٹ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔

۱۵۲۶ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد ہندوستان پر مغلیہ حکومت قائم ہوئی مگر عمارتوں کا ناک نقشہ تقریباً حسب سابق ہی رہا۔ شیر شاہ سوری کا عہد اگرچہ مختصر تھا لیکن اس دور کی شاہی عمارتوں میں روایتی افغانی طرز تعمیر ہی نظر آتا ہے مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کے عہد میں بڑی تعداد میں نفیس عمارات تعمیر ہوئیں۔

غیاث الدین تغلق (المتوفی ۱۳۲۴ء) نے تغلق آباد کا قلعہ دہلی میں تعمیر کرایا اور اس کے ساتھ ہی محلات شاہی بھی تعمیر کرائے یہیں سے مملکت کے جملہ انتظامی و دیگر امور کی انجام وہی ہوتی تھی اس کے مقبرہ میں اس کی قبر اور اس کی زوجہ اور بیٹے کی قبور ہیں اب یہ علاقہ کھنڈر ہو چکا ہے اسی بادشاہ کے عہد میں حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنی درگاہ میں باؤلی خود بنوائی جو اب تک درگاہ شریف کے ایک کونہ میں موجود ہے۔

غیاث الدین تغلق کا بیٹا محمد بن تغلق ۱۳۲۵ء میں تخت نشین ہوا وہ اپنا دارالحکومت پھر سے لال کوٹ میں لے آیا لیکن اس نے تغلق آباد کے جنوب مشرق میں ایک نیا قلعہ اور قصر ہزار ستون اس میں بنوایا۔ محمد تغلق کا لقب عادل شاہ تھا اسی نسبت سے قلعہ کا نام عادل آباد رکھا گیا۔

سیری کا علاقہ علاؤالدین خلجی نے آباد کیا تھا۔ عادل شاہ نے ۱۳۲۸ء میں فصیل کو وسیع کیا اور اس کا نام "جہاں پناہ" رکھا۔ بعد میں آبادی کا نام ہی "جہاں پناہ" مشہور ہو گیا۔ محمد بن تغلق ۱۳۵۱ء میں فوت ہوا اور دہلی کی خاک میں آسودہ ہوا۔ اس کے بعد فیروز شاہ جو اس کا برادر زادہ تھا دہلی کا سلطان بنا اسے عمارتیں بنوانے اور قدیم عمارات کی مرمت کا بڑا شوق تھا چنانچہ اس کے عہد کی کئی عمارتیں اب تک موجود ہیں فیروز شاہ نے سلطان غازی معز الدین بہرام شاہ کے مقابر کی مرمت کے علاوہ جو ملک پور میں واقع ہے اور بہت سے مزاروں کی بھی مرمت کرائی۔ اس کے دور حکومت میں چوبرجی مسجد (نزد کوشک محل) کلاں مسجد اندرون ترکمان گیٹ المشہور کالی مسجد تعمیر ہوئیں۔ علاوہ ازیں کوٹلہ فیروز شاہ کی مسجد۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء والی مسجد کالو سرائے

بیگم پور مسجد، کھڑکی کی مسجد، درگاہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی مسجد واقع جہاں پناہ۔ درگاہ عالم شاہ (مزار نجف گڑھ کے نالے کے اوپر تیمار پور سے پرے واقع ہے) درگاہ قدم شریف جو اس کے شہزادہ فتح خان کی قبر ہے اور جس پر سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کا ایک پتھر پر نشان ہے۔ بھی اس دور کی یادگاریں ہیں۔ فیروز شاہ نے بھی ایک نئی بستی فیروز آباد بسائی۔ جس کا کچھ حصہ اب باقی ہے اور اسے فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں۔ فیروز شاہ تغلق کو شکار کا بھی شوق تھا اس نے "کوشک شکار" ایک محل بنوایا۔ جس کی دیواریں بہت اونچی تھیں اور اس میں ایک چڑیا گھر بنایا جہاں مختلف ممالک سے درآمد کردہ پرندے اور جانور رکھے گئے تھے۔ اس کا محل و توع موری دروازہ کے باہر تھا۔

۱۳۸۸ء میں ۹۰ سال کی عمر پاکر فیروز شاہ تغلق عالم لقا کو سدھارا۔ اس کا مقبرہ اس کے فرزند محمد چہارم نے ۱۳۸۹ء میں تعمیر کرایا جو قطب مینار کے شمال میں ۲ میل کے فاصلہ پر علاؤالدین خلجی کے حوض خاص کے کنارے واقع ہے فیروز شاہ تغلق کے جانشین نا اہل اور کمزور تھے قلیل عرصہ نصیرالدین۔ غیاث الدین ثانی۔ ابوبکر شاہ اور ناصر الدین حکمراں رہے، نصیرالدین کے پسر محمود تغلق کے دور میں امیر تیمور گورگان نے دہلی پر حملہ کیا اور اہل دہلی کا قتل عام کیا۔ محمود تغلق گجرات فرار ہوگیا۔ اور تیمور کی واپسی کے بعد دہلی واپس آیا۔ اور ۲۰ برس برائے نام حکومت کے بعد ۱۴۱۲ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ امیر تیمور۔ سمرقند واپس لوٹتے ہوئے سید خضر خان کو اپنا نائب السلطنت مقرر کر گیا۔ محمود تغلق کی وفات کے بعد یہ بادشاہ بن گیا۔ اس نے خاندان سادات کی بنا ڈالی اس خاندان میں چار بادشاہ ہوئے۔ سادات خاندان کا عہد حکومت ۱۴۱۴ء سے ۱۴۵۱ء تک رہا اس خاندان کا آخری تاجدار علاؤالدین عرف عالم شاہ تھا جس نے اپنے ایک جرنیل بہلول خان لودھی کو دہلی کی حکومت سپرد کردی، بہلول خان لودھی ۱۴۵۱ء میں بادشاہ بنا اس نے آخر عمر میں دور دراز کے صوبے اپنے سپہ سالاروں کو دے دیئے اور اپنے لئے دہلی اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ جات رکھ لئے۔ اس کی وفات ۱۴۸۸ء

میں ہوئی۔ اس کا جانشین سکندر لودھی بڑا عالم فاضل اور بزرگانِ دین کا معتقد تھا۔ خود بہلول خان کو تخت و تاج ایک درویش کی دعا سے ملا تھا۔ سکندر لودھی نے کچھ عرصہ آگرہ کو پایہ تخت و تاج بنائے رکھا مضافاتِ آگرہ میں سکندرہ جہاں مغل شہنشاہ اکبر بادشاہ کی آخری آرام گاہ ہے، اسی سکندر شاہ لودھی کا بسایا ہوا ہے۔ سکندر شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں قطب مینار، فیروز کے مقبرہ اور کئی ایک اور قدیم اور تاریخی عمارات کی مرمت کرائی ۲۸ برس حکمرانی کے بعد ۱۵۱۷ء میں بمقام آگرہ فوت ہوا لیکن اس کی میت دہلی میں لائی گئی اور اسے لودھی بادشاہوں کے مقابر واقع خیر پور میں پیوندِ خاک کیا گیا اس کا مقبرہ پرشکوہ ہے سکندر لودھی کے بعد اس کا پسر ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا۔ سکندر لودھی کا مقبرہ اس کے عہد کی یادگار ہے۔ ابراہیم لودھی کے بھائی علاؤ الدین لودھی نے ۱۵۲۵ء میں دہلی پر حملہ کر شہر پر قبضہ کر لیا لیکن ابراہیم لودھی نے جلد ہی ایک معرکہ کے بعد دوبارہ تصرف حاصل کر لیا۔ بھائی نے سازش کی اور اس نے ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا پیغام بھیجا۔ بابر اس سے قبل بھی چار مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن لاہور سے واپس کابل چلا جاتا تھا۔ اس بار بابر نے بڑے حوصلہ اور تدبر سے حملہ کیا اور اس نے ابراہیم لودھی کو ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء بمقام پانی پت شکست فاش دی اور اسے قتل کر دیا۔ ابراہیم لودھی کی قبر پانی پت میں ہے۔ شہنشاہ ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں مغلیہ خاندان کی بنیاد ڈالی جس کی حکمرانی بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور قید سے ۱۸۵۷ء کے بعد ختم ہوئی

ظہیر الدین بابر کی عمر قریباً چالیس سال تھی جب وہ ہندوستان کے تخت پر قابض ہوا اور چار سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا مزار کابل کے مضافات میں ہے بابر کے مختصر عہد میں مسجد درگاہ جمالی و کمالی تعمیر ہوئی اس کے قریب شیخ فضل اللہ عرف جلال خاں تخلص، جمالی '' کا مقبرہ ہے سن وفات ۱۵۳۵ء، جمالی فارسی زبان کے بڑے شاعر گزرے ہیں۔ قطب کے قریب دونوں عمارات اب تک موجود ہیں۔

بابر کے بعد نصیر الدین ہمایوں ۱۵۳۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے علاقہ قطب صاحب میں ایک مربع شکل کی عمارت درگاہ امام ضامن تعمیر کرائی جو علائی دروازہ کے باہر واقع ہے۔ ہمایوں نے دہلی کے پرانے قلعہ کی مرمت کرائی اور نئی مضبوط فصیل بنوائی جسے "دین پناہ" کا نام دیا گیا۔ اس کے کچھ آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔

شیر شاہ سوری عرف فرید خاں نے ہمایوں کو سلطنت سے بے دخل کر کے ۱۵۴۰ء میں تخت پر قبضہ کیا اور سوری خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اپنے مختصر عہد حکومت میں شیر شاہ نے دہلی میں پرانا قلعہ میں مسجد بنوائی اور اس کے قریب ایک برج کی شکل میں "شیر منڈل" بھی تعمیر کرایا۔ شیر شاہ سوری کے عہد میں ہی حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ زیر انصرام خلیل اللہ خاں تعمیر ہوئی۔ دہلی قلعہ کی فصیلیں مضبوط کرائیں نیز ایک نئی فصیل شہر کے گرداگرد بنوائی۔ اب اس کے نشانات ہیں سے لال دروازہ (فیروز شاہ کوٹلہ کے سامنے) اور پرانا قلعہ کے سامنے "خیر المنازل" اب تک موجود ہے۔

شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد ۱۵۴۵ء میں اس کا پسر سلیم شاہ بادشاہ بنا۔ دہلی میں اس کی یادگار سلیم گڑھ قلعہ ہے جو دریائے جمنا کے بیچ ایک چٹان پر بنا ہوا ہے اور لال قلعہ کے ایک کونہ پر ہے اس کے اوپر سے ریل گزرتی ہے۔

سلطان بہلول لودھی کا مقبرہ درگاہ حضرت نصیر الدین محمود چراغؒ کے قریب جہاں پناہ میں واقع ہے شیخ یوسف قتالؒ کی درگاہ موضع کھڑکی کے قریب شمالی جانب پر ہے۔ اس کا سن تعمیر ۱۵۰۰ء ہے یہ حضرت قاضی جلال الدین لاہوری کے مرید تھے۔ مقبرہ سلطان بہلول لودھی سے نصف میل مغرب کی جانب حضرت یوسف قتالؒ کے فرزند کبیر الدین اولیاء کی درگاہ ہے۔

شہنشاہ ہمایوں کے مقبرہ کے قریب ہی عیسیٰ خان کا مقبرہ ہے جو اچھی حالت میں نہیں ہے۔ پندرہ برس برطرف رہنے کے بعد ہمایوں پھر ہندوستان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ مورخہ ۲۳ جولائی ۱۵۵۵ء کو دہلی آیا، وہ ۵۱ سال کی عمر میں ۲۴ جنوری

۱۵۵۶ء کو شیر منڈل (واقع پرانا قلعہ) کی سیڑھیوں سے گر کر فوت ہوا۔

ہمایوں کا مقبرہ شہنشاہ اکبر کی والدہ نواب حاجی بیگم (حمیدہ بانو بیگم ملقب بہ مریم مکانی) نے ۱۵۵۶ء سے ۱۵۶۵ء میں بنوایا۔ مریم مکانی اسی مقبرہ کے ایک کونہ میں دفن ہے اسی مقبرہ میں کئی اور مغلیہ بادشاہوں اور شہزادوں کی قبریں ہیں مثلاً جہاندار شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شہزادہ داراشکوہ

نواب حاجی بیگم عرب سے مختلف طبقوں کے لوگوں کا ایک کثیر التعداد گروہ اپنے ساتھ لائی تھی ان کے لئے ایک الگ رہائشی اپارٹمنٹ ہمایوں کے مقبرہ سے متصل لبایا جسے عرب سرائے کہتے ہیں۔ یہاں کی مسجد ویران ہے اور عرب سرائے بھی ٹوٹ پھوٹ چکی ہے چند سال پہلے تک پاکستان سے آنے والے زائرین کو یہاں ٹھہرایا جاتا تھا آج کل یہاں آل انڈیا سکاؤٹ کیمپ ہے۔

شہنشاہ اکبر ۱۳ برس کی عمر میں (۱۵۵۶ء) میں تخت نشین ہوا اور ۱۶۰۵ء میں فوت ہوا۔ اکبر دہلی میں کم عرصہ ہی رہا اس کی عمر کا کافی عرصہ آگرہ، فتح پور سیکری اور لاہور میں گزرا۔ ماہ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں شہنشاہ جہانگیر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے عہد کی دہلی میں یادگار عمارتیں نیلا برج (مقبرہ میاں فہیم) سرائے فرید خاں، بارہ پلہ، کوس منارہ ہیں نیز حضرت امیر خسروؒ کی درگاہ کی بھی تعمیر نو اسی زمانہ میں ہوئی۔ جہانگیر ساٹھ سال کی عمر پاکر ۱۶۲۷ء میں فوت ہوا اور لاہور (شاہدرہ) میں دفن ہے۔

ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہ جہاں فروری ۱۶۲۸ء میں اورنگ نشین ہوا۔ اسے

عمدہ عمارات تعمیر کرانے کا بہت شوق تھا آگرہ میں مشہور عالم تاج محل اس کا تعمیر کردہ ہے جسے عجائبات عالم میں شمار کیا جاتا ہے موجودہ دلی جسے شاہجہان آباد کہا جاتا ہے اس کے عہد ہمایوں کی یادگار بستی ہے لال قلعہ اور جامع مسجد اس نے ہی بنوائی تھیں۔ شاہ جہاں پر ۱۶۵۷ء میں فالج کا حملہ ہوا اور وہ کاروبار مملکت سے الگ ہو گیا اس کے بیٹوں میں جانشینی کی جنگ چلی جس میں اورنگ زیب کامیاب رہا اس کی تاجپوشی ۱۶۵۹ء میں کی گئی۔ شاہ جہاں

نے اپنی زندگی کے آخری آٹھ سال اپنے بیٹے کی قید میں گزارے تاآنکہ ۱۶۶۶ء میں اس کا انتقال ہوگیا اور نگ زیب عالمگیر کے عہد میں دہلی میں روشن آرا کا مقبرہ، جہاں آرا بیگم کا مجر (اندرون درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء) تیار کئے گئے مسجد گھاٹ (عرف خیراتی گھاٹ) اور زینت المساجد بھی اس کے زمانہ میں تعمیر ہوئیں۔ زینت المساجد مسجد خوب صورتی کے اعتبار سے جامع مسجد دہلی سے دوسرے نمبر پر شمار کی جاتی ہے۔ اندرون مسجد عالمگیر کی بیٹی شہزادی زینت النساء کی قبر ہے۔ محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں چاندنی چوک دہلی کی سنہری مسجد ہے جس کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر نادر شاہ نے اہل دہلی کے قتل عام کا حکم دیا تھا۔ اس کے عہد میں ہی "جنتر منتر" بنا۔ اس کا اصل نام "سمرات ینتر" تھا جو بگڑ کر "جنتر منتر" ہو گیا۔ یہ عمارت بادشاہ کے حکم سے راجہ سوائی مان سنگھ نے ۱۷۲۴ء کے لگ بھگ تعمیر کرائی تھی مسلمان سلطنتوں میں سب سے زیادہ پرشکوہ اور شاندار مغلوں کی حکومت تھی لیکن ان کی تمام شان وشوکت اور سب خوبیاں ایران کی نقالی پر منحصر تھیں مغل بادشاہوں میں وہی جنگجوئی، وہی شعر وسخن سے دلچسپی وہی علوم وفنون کی قدردانی، وہی داد و دہش، وہی آداب نشت و برخواست، وہی تمکنت اور شان وشوکت یہاں تک کہ زبان بھی وہی یعنی فارسی تھی۔ مغلیہ پایۂ تخت دہلی ایرانی شعراء سے بھرا پڑا تھا۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد ان کے ہاں سے سپاہیانہ عنصر غائب ہوگیا۔ اہل کمال کی وہ قدر نہ رہی۔ ڈوم، مراسی، ڈھاڑی دہلی دربار پر چھا گئے اور ان کم ظرف لوگوں کی پذیرائی کے باعث ملک میں بدنظمی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگجو لوگوں نے ڈاکے مارنا شروع کئے اور کمزور مغلیہ حکومت امن پسند

رعایا کی مدافعت نہ کر سکی ملک بھر میں افلاس وہراس کا دور دورہ ہوگیا۔ سماج میں اخلاقی انحطاط کے باعث رنڈی بازی، امرد پرستی، کاہلی اور حقائق سے فرار کے رجحانات پیدا ہوئے۔ زوال کی اس ابتداء کو تقریباً ایک صدی نے کامل زوال میں تبدیل کر دیا چنانچہ انگریز جو تجار بن کر آئے تھے سپید وسیاہ کے مالک بن بیٹھے۔

مغلیہ خاندان کی پرشکوہ سلطنت بابر- ہمایوں- اکبر- جہانگیر- شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر تک رہی- یہ دور ۱۵۲۶ء سے ۱۷۰۷ء تک رہا۔ عالمگیر کی وفات پر شہزادہ محمد اعظم اور محمد معظم کی تخت و تاج کی جنگ دھولپور اور آگرہ کے درمیان مقام جاجو پر ہوئی جس میں کامیابی کے بعد محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول کے لقب سے ۱۱۱۹ھ - ۱۷۰۷ء میں سربرآرائے سلطنت ہوا۔ بہادر شاہ اول کی وفات (۱۷۱۲ء) کے بعد اس کا بیٹا معز الدین جہاندار شاہ اپنے بھائیوں سے معرکہ آراء ہوا اور امیر الامراء ذوالفقار خان کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ یہ نکما اور عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اور برائے نام بادشاہ تھا کیونکہ تمام اختیارات نئے وزیر اعظم ذوالفقار خان کے ہاتھ میں تھے۔

جہاندار شاہ دہلی کی ایک طوائف لال کنور پر لٹو ہوئے اسے بازاروں اور باغوں میں لئے پھرتے اور شارع عام پر مے نوشی کرنے میں انہیں کوئی باک نہ تھا۔ امرائے سلطنت اور اہل قلعہ اس صورت حال پر کبیدہ تھے۔ شہزادہ عظیم الشان کے فرزند فرخ سیر نے بادشاہ کی معزولی اور اپنی بادشاہی کا دعویٰ کیا۔ دہلی دربار کے بادشاہ گر بھائی سید عبداللہ اور سید حسین علی نے فرخ سیر کا ساتھ دیا اور تخت پر بیٹھ گیا ۱۷۱۳ء میں بادشاہ فرخ سیر نے ان بادشاہ گر سازشی برادران سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ انہوں نے بادشاہ کو معزول کیا اور پھر قتل کر دیا۔ مرزا بیدل شاعر نے تاریخ کہی "سادات بہ وے نمک حرامی کردند" (۱۱۳۱ھ)

۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کے قتل کے بعد سات ماہ کے عرصے میں سید برادران نے دو بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین کئے یعنی رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ لیکن وہ بیمار ہو کر راہی ملک عدم ہو گئے۔ آگرہ میں مقیم امرائے سلطنت آپس میں حسد و نفاق رکھتے تھے چنانچہ معمولی معمولی باتوں پر دہلی میں تلواریں چل جایا کرتی تھیں۔ محمد شاہ رنگیلے پر محلات کے نیچے درجے کے ملازموں کا بہت اثر تھا اور بادشاہ ان کی کانا پھوسی پر کان دھرتا تھا ان خدام میں کوکہ جی خادمہ، روشن الدولہ خواجہ سرا اور عبد الغفور شاہ جی بادشاہ کے بہت نزدیک تھے۔ دار السلطنت دہلی اور اطراف میں لوٹ مار

رشوت اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں روزمرہ کا معمول بن گئے تھے۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ بکھرنے لگی، مسلم و غیر مسلم رعایا اور غیر ملکی طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور نظام سلطنت درہم برہم ہو گیا۔ محمد شاہ کی والدہ نے وفادار امراء سے رابطہ کیا اور بادشاہ گر سیدوں سے نجات حاصل کرنے کا خفیہ پلان بنایا ۱۷۲۰ء میں محمد شاہ علاقہ جات دکن (جنوبی ہند) کے بندوبست کی غرض سے سید حسین علی خان کی ہمراہی میں روانہ ہوا۔ اور آگرہ کے مضافات میں سید حسین علی خان کو مرزا حیدر بیگ سے مروادیا۔ دہلی سے محمد شاہ کی غیر حاضری کے دوران سید عبداللہ خان نے شہزادہ ابراہیم کو تخت دہلی پر بٹھادیا اور اس کے نام کا سکہ بھی مضروب کرایا۔ شاہی لشکر نے سید عبداللہ خان کو متھرا کے شمال میں ایک مقابلہ کے بعد گرفتار کر لیا اور وہ زندان میں ہی مر گیا شہزادہ ابراہیم کا بھی قید خانہ میں خاتمہ ہو گیا۔ محمد شاہ رنگیلا پھر سے دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہو گیا۔ لیکن اب وہ پہلے سے زیادہ عیش و عشرت میں غرق ہو گیا۔ سلطنت کے دور دور کے صوبہ دار اپنے صوبوں میں نائب کو چھوڑ کر دہلی میں بادشاہ کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لئے اقامت گزیں ہوئے۔ امور سلطنت میں خلل اور فتور آیا تو بادشاہ نے دکن کے صوبہ دار نظام الملک کو ۱۷۳۷ء میں دہلی بلوایا لیکن اس کی کوئی پیش نہ چلی کیونکہ بادشاہ اپنے سپہ سالار خان دوران کی مٹھی میں تھا۔ نظام الملک حالات سے بددل ہو کر واپس چلا گیا۔ لیکن چلتے چلتے مرہٹوں کو شہہ دے گیا۔ چنانچہ باجی راؤ پیشوا دلی کے قریب آدھمکا۔ مگر برہان الملک سعادت خان نے اسے ایک کثیر رقم دے کر رخصت کر دیا۔ اگلے سال یعنی ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ دہلی پر چڑھ آیا۔ محمد شاہ نے دو لاکھ فوج سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ دہلی میں قتل عام ہوا۔ صبح کے آٹھ بجے سے شام کے تین بجے تک اہل دہلی کے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اور حملہ آور ایرانیوں نے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہزاروں عصمتیں برباد ہوئیں اور لوٹ مار سے اہل شہر قلاش ہو گئے۔ نادر شاہ نے عالمگیر کی ایک پوتی سے اپنے بیٹے کا نکاح کیا اور ۷۰ کروڑ کا سامان معہ تخت طاؤس

لے کر واپس ہوا۔

نالائق اور عیاش بادشاہوں کی سیاسی بے بصیرتی اور نادانیوں اور کردار کی کمزوری کی یہ پہلی سزا تھی جو رعایا کو بھگتنا پڑی اور وہ نہایت بے دردی اور سفاکی سے بے گناہ تباہ ہوئی، برہان الملک سعادت خان ۱۷۳۹ء میں فوت ہوا اور نظام الملک نے دکن واپس ہو کر خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ صوبجات بہار۔ بنگالہ۔ اودھ۔ اڑلیسہ اور روہیل کھنڈ باغی ہو گئے اور دہلی دربار کا ان پر کوئی دباؤ باقی نہ رہا۔ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور سرہند تک آگیا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے شہزادہ احمد شاہ سپہ سالار قمر الدین خان کی معیت میں بھیجے گئے۔ قمر الدین خان تو لڑائی میں کام آیا لیکن شاہی لشکر فاتح رہا۔ یہ آخری فتح تھی جو سلطنت مغلیہ کو حاصل ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ احمد شاہ ابدالی کی فوج کے کچھ آتشیں بان اس کی فوج کے میگزین میں آگرے جس سے تمام بارود خانہ جل اٹھا اور ہزاروں لشکری فوراً لقمۂ اجل بن گئے محمد شاہ بیمار تو تھا ہی قمر الدین خان کی وفات کا صدمہ نہ سہہ سکا اور ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء میں مر گیا۔ محمد شاہ کے عہد کی یادگار عمارت جنتر منتر ہے جب کہ اس کی والدہ نے کشمیری دروازے کے باہر قدسیہ باغات لگوائے، محمد شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کا عہد ۱۷۴۸ء سے ۱۷۵۴ء تک رہا۔ صفدر جنگ جو سعادت خان صوبہ دار اودھ کا داماد تھا (مذہباً شیعہ تھا) وزیر اعظم مقرر ہوا۔ ان دنوں ملک میں طوائف الملوکی عام تھی۔ اور دہلی لٹیروں اور ڈاکوؤں کا خاص نشانہ بنی رہی۔ روہیلہ پٹھانوں نے باغیانہ روش اختیار کی تو صفدر جنگ نے ان کی سرکوبی کے لئے ہندو جاٹوں اور مرہٹوں کو بلایا۔ انہیں تنخواہ اپنے محاصل سے دی اس طرح شاہی خزانے کا وافر روپیہ اس مد میں خرچ ہو جاتا تھا ۱۷۴۹ء میں احمد شاہ ابدالی نے پھر حملہ کیا۔ بادشاہ دہلی نے لاہور اور ملتان کے علاقے اسے دے کر نجات پائی۔

دہلی دربار سے وابستہ نظام الملک کا ایک پوتا غازی الدین (عرف شہاب الدین) بعہدہ عماد الملک فائز تھا اس نے صفدر جنگ وزیر کے مقابلہ میں اپنی ایک پارٹی بنا کر

صفدر جنگ اور اس کی حامی اودھ پارٹی سے سیاسی نبرد آزمائی شروع کی۔ جب غازی الدین کی جماعت کو غلبہ حاصل ہوا تو صفدر جنگ نے دہلی دربار سے کھلی بغاوت اختیار کی اور بھرت پور کے راجہ سورج مل جاٹ کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ غازی الدین نے ہلکر مرہٹہ کی خدمات حاصل کیں، احمد شاہ بادشاہ نے ظاہری طور پر تو غازی الدین کو حمایت کا یقین دلایا لیکن در پردہ وہ سورج مل جاٹ کی امداد کے لئے سکندرہ پہنچ گیا، لڑائی میں غازی الدین غالب رہا۔ بادشاہ میدان جنگ سے فرار ہو کر دہلی آیا لیکن غازی الدین نے اسے معزول کر کے ۱۱۶۷ھ بمطابق ۱۷۵۴ء میں سلیم گڑھ کے قلعہ میں قید کر دیا جہاں حالت اسیری میں ۱۷۷۲ء میں وہ مر گیا اور مقبرہ ہمایوں میں دفن ہوا۔

احمد شاہ بادشاہ کے ابتدائی عہد کے حالات پر مؤرخ جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ احمد شاہ نے اپنی ماں ادھم بائی طوائف کو نواب قدسیہ، حضرت بیگم عالم صاحب الزمانی وغیرہ خطابات دیئے اور اپنے ماموں کو جو اوباش تھا اور لفنگوں کی طرح دہلی کی گلیوں میں گھوما کرتا تھا منصب شش ہزاری دیا۔ جاوید خواجہ سرا اور ادھم بائی میں گہرا میل تھا یہ خواجہ سرا تمام فرائض شاہی ادا کرتا اور شاہی روپیہ اپنے قبضے میں رکھتا تھا۔ نوکروں کو تنخواہیں کبھی وقت پر نہ دی جاتی تھیں اس خواجہ سرا نے اپنے رذیل فرقے کے متعدد لوگوں کو اونچے عہدے دے رکھے تھے احمد شاہ یا تو زنان خانہ کی عورتوں میں پڑا رہتا یا بالکل بچوں کے سے کھیل محلات میں کھیلا کرتا تھا۔ احمد شاہ نے ۱۷۵۳ء میں اپنے تین سالہ بیٹے کو صوبۂ پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا اور ایک سالہ بچے کو اس کا نائب مقرر کر دیا۔ دہلی کے دیوان خاص میں تین سالہ عمر کا بچہ عمائدین سے نذریں لیتا اور اپنے ایک سالہ نائب کے لیے لاہور تحفے تحائف بھیجا کرتا تھا۔

احمد شاہ کی وفات کے بعد غازی الدین خان عماد الملک نے جہاندار شاہ کے فرزند شہزادہ عزیز الدین کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ یہ برائے نام بادشاہ تھا تمام اختیارات عماد الملک کے ہاتھ میں تھے ۱۷۵۵ء میں صفدر جنگ کی وفات ہوئی اور عماد الملک اور بھی آزاد ہو گیا۔ صفدر جنگ کے مقبرہ میں خان خاناں کے مقبرہ سے

سنگِ مرمر اکھاڑ کر لگایا گیا تھا) سلطنت مغلیہ کا زوال اب تیزی سے رو بہ پذیر ہونے لگا تھا جس کے نتیجہ میں بادشاہ دہلی کی حکمرانی دہلی اور اس کے متصلہ چند ضلعوں تک محدود رہ گئی۔ صوبہ پنجاب ہاتھ سے جا چکا تھا جب کہ دوسرے صوبجات پہلے سے ہی خود مختار تھے جو باقی رہ گئے تھے وہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھے یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ نگیں۔ صوبہ پنجاب پر دہلی تخت کی عمل داری کے دوبارہ قیام کی غرض سے عماد الملک لاہور پہنچا جہاں معین الملک کو حاکم مقرر کیا گیا تھا اور اس کی وفات پر اس کی بیوی متصرف تھی۔ یہ عماد الملک کی ممانی تھی اور اس کی ایک بیٹی عماد الملک سے منسوب تھی۔ نئے حاکم کے تقرر کی اطلاع پاتے ہی احمد شاہ ابدالی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دہلی وارد ہوا۔ عماد الملک نے عاجزی کی اور اس سے مل گیا۔ ابدالی کی فوج گرد و نواح کو لوٹ کر واپس ہو گئی۔ یہ ۱۱۷۰ھ ۵۷ ۱۷ء کا واقعہ ہے جب معاہدہ عماد الملک صوبہ اودھ سے احمد شاہ ابدالی کے لئے خراج کی رقم وصول کرنے کے مشن پر روانہ ہوا جب کہ دہلی میں عالمگیر ثانی نے احمد شاہ ابدالی سے ساز باز کر کے نجیب الدولہ کو وزیر مقرر کر دیا۔ ابدالی کی مراجعت کے بعد عماد الملک دہلی پر حملہ آور ہوا اور ساتھ ہی اپنی مدد کے لئے اس نے ہلکر مرہٹہ کو بلایا۔ بادشاہ اور نجیب الدولہ محصور ہو گئے لیکن آخر کار صلح ہو گئی اور نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ لیکن عماد الملک نے جلد ہی بادشاہ کو راستہ سے ہٹانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا چنانچہ اس نے عالمگیر ثانی کو کوٹلہ فیروز شاہ میں ایک فقیر کی قدم بوسی کرانے کا دھوکہ دے کر اسے مروا ڈالا۔ یہ واقعہ ۱۱۷۳ھ ۵۹ ۱۷ء کا ہے۔ عالمگیر ثانی کی قبر ہمایوں کے مقبرہ میں دفن ہے۔ اس کے بعد عماد الملک نے شہنشاہ اورنگ زیب کے ایک پڑپوتے کو شاہ جہاں ثانی کا لقب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ انہی دنوں میں احمد شاہ ابدالی کے حملے کی خبر ملی تو عماد الملک دہلی چھوڑ کر پہلے فرخ آباد اور پھر فیض آباد ہوتا ہوا سورت بندرگاہ جا پہنچا۔ وہاں سے انگریزوں نے اسے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے جدہ پہنچا دیا۔ حج سے واپسی پر عماد الملک کالپی میں خانہ نشین ہو گیا اور سنہ ۱۸۰۱ء میں مر گیا۔

احمد شاہ ابدالی نے اس بار دہلی میں قتل عام کیا اور لوٹ مچا دی۔ اس نے شاہ جہاں ثانی کو معزول کر کے شہزادہ عالی گوہر کو دہلی کے تخت پر مقرر کیا۔ جونہی ابدالی واپس ہوا تو مرہٹے اور ہندو جاٹ دہلی میں گھس آئے اور تباہی مچا دی۔ لال قلعہ کے دیوان خاص کی چھت کا تمام قیمتی پتھر تک اکھاڑ کر لے گئے۔ پھر پانی پت کے مقام پر دو لاکھ فوج لے کر ابدالی سے نبرد آزما ہوئے لیکن شکست فاش کھائی (۱۷۶۱ء) اب دہلی سلطنت پر ابدالی کا قبضہ ہو گیا اور اس نے شاہ عالم ثانی کو جو بنگالہ سے واپسی پر الہ آباد میں مقیم ہو گیا تھا کو جواں بخت کی جگہ دہلی کا بادشاہ مقرر کیا اور شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ کو وزیر۔ عالم شاہ ثانی (عہد ۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء) الہ آباد میں بیٹھ کر برائے نام سلطنت کرتا رہا۔ اور قریباً دس برس دہلی نہ گیا۔ شاہ عالم ثانی کا فرزند مرزا جواں بخت مرہٹوں کے زیر اثر دہلی میں تھا۔ شاہ عالم ثانی کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ۱۷۶۳ء میں سورج مل جاٹ والئی بھرت پور نے آگرہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور دہلی کی طرف بڑھا لیکن غازی آباد کے مقام پر گھر گیا اور مارا گیا۔ اس کے پسر نے ملہار راؤ ہلکر کی مدد سے تین ماہ تک دہلی کا محاصرہ کئے رکھا۔ لیکن ہلکر کے چلے جانے کے بعد محاصرہ اٹھا لیا۔ نجیب الدولہ کی وفات ۱۷۷۰ء میں ہوئی۔ اس کا بیٹا ضابطہ خان وزیر سلطنت بنا لیکن مرہٹے اس کے مخالف تھے۔ اگلے سال شاہ عالم ثانی معمولی لشکر کے ساتھ دہلی آیا جہاں مرہٹوں کا تیس ہزار نفوس پر مشتمل لشکر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا ان سے سمجھوتہ ہو گیا اور عالم شاہ ثانی ۱۷۷۱ء میں دہلی آ گیا۔

مرہٹوں نے ضابطہ خان کا تعاقب علاقہ روہیل کھنڈ تک کیا اور اس کا تمام خزانہ بال بچے اور کئی نزدیکی رشتہ داروں کو قبضہ میں کر لیا۔ ضابطہ خان نے مجبور ہو کر مرہٹوں سے صلح کر لی اور دونوں نے مل کر دہلی پر حملہ کیا۔ دہلی متھرا روڈ پر تغلق آباد کے قریب چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن بادشاہ کی فوج نے پسپائی اختیار کر کے پہلے مقبرہ ہمایوں میں اور پھر دریا گنج میں کیمپ ڈالا۔ بے بسی کے عالم میں بادشاہ نے نجف خان کو معزول کر کے ضابطہ خان کو وزیر مقرر کیا۔ ضابطہ خان کا بیٹا غلام قادر خان شاہ عالم کو منظور

نظر ہوا چنانچہ ۱۷۸۵ء میں ضابطہ خاں کی وفات کے بعد غلام قادر خان وزیر بنا۔ اسی سال شاہ عالم سیندھیا مرہٹہ کی پناہ میں چلا گیا اور اسے بادشاہ نے پٹیل کا خطاب دیا انگریزوں نے اس واقعہ کے بعد شاہ عالم کی پنشن بند کر دی۔ غلام قادر مرہٹوں سے رشک کی وجہ سے نبرد آزما ہوا اور اپنی سپاہ کو شاہدرہ (نزد دہلی) میں جا دیا۔ مرہٹوں سے مذاکرات کئے اور انہیں تاوان دے کر دہلی سے چلتا کیا۔ شاہ عالم ثانی کو غلام قادر نے ۱۷۸۹ء میں اندھا کر دیا اور پھر اسے سلیم گڑھ کے قلعہ میں قید کر دیا۔ مرہٹے ایک بار پھر دہلی پر حملہ آور ہوئے غلام قادر نے شاہی محلات میں آگ لگا کر شاہدرہ دہلی کی راہ لی جہاں وہ اپنے لشکر سے جا ملا۔ میرٹھ کے مضافات میں مرہٹوں اور غلام قادر کے مابین معرکہ ہوا غلام قادر گرفتار ہوا اور اسے متھرا لے جا کر سیندھیا مرہٹہ کے پیش کیا گیا۔ مرہٹوں نے اس کی زبان کاٹ ڈالی اور گدھے پر سوار کرایا گیا بعد میں اس کو اذیتیں دے کر ختم کر ڈالا سیندھیا پٹیل اب دہلی دربار کا مختار کل بن گیا ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی کو فتح کیا اور شاہ عالم ثانی کو مرہٹوں کے نرغہ سے چھڑایا۔ معاہدہ کی رو سے لال قلعہ پر بادشاہ کا اختیار بدستور رہا اور سوا لاکھ روپیہ اس کی پنشن مقرر کی گئی صوبجات میں بادشاہ ہی کا سکہ جاری رہا اور اسے نذرانے اور تحفے تحائف اور خراج بھی حسب سابق پہنچتا رہا ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم نے وفات پائی۔

اکبر شاہ ثانی (عہد ۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۷ء) بھی انگریزوں کا پنشن خوار رہا اسے ایک لاکھ روپیہ پنشن ملتی رہی اس کا انتقال ۱۸۳۷ء میں ہوا۔ اس کے بعد بہادر شاہ ظفر گو نام کے ہی سہی بہرحال دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ جب موصوف کے ولی عہد کا انتقال ۱۸۴۹ء میں ہوا تو لارڈ ڈلہوزی وائسرائے نے مرزا فخرو کو بادشاہ کا جانشین نامزد کر دیا۔ بہادر شاہ ظفر کی بیگم زینت محل اپنے بیٹے مرزا جواں بخت کو ولی عہد دیکھنا چاہتی تھی لیکن ۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو نے انتقال کیا لارڈ کیننگ نے شہزادہ مرزا محمد قریش کو اس شرط کے ساتھ جانشین تسلیم کیا کہ وہ صرف پرنس کہلائے گا اور لال قلعہ کی بجائے اقامت قطب بستی میں رکھے گا اور پنشن کی رقم محض پندرہ ہزار روپے سالانہ ہو گی۔ یاد رہے کہ شاہ عالم ثانی کے عہد میں لارڈ کارنوالس نے بادشاہ کے روایتی تمام پرشکوہ القاب اور آداب اپنی

مراسلت میں لکھنا موقوف کر دیئے تھے۔ تب سے بہادر شاہ ظفر کے عہد تک بادشاہ
کے احکامات صرف لال قلعہ تک محدود تھے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریز غدر
کا نام دیتے ہیں نے مغلیہ خاندان کے زوال پر آخری مہر ثبت کر دی۔ بہادر شاہ ظفر پر
مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلاوطن کر کے رنگون (برما) میں بطور قیدی بھیج دیا۔ جہاں ۱۸۶۲ء
میں اس کی دنیوی حیات کا خاتمہ ہو گیا۔

بہادر شاہ اول کے دور سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے عہد تک کا زمانہ بدحالی کا رہا
خاندان مغلیہ کے خاتمہ پر دہلی کی تاریخ کا ایک دور ختم ہو گیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد
دہلی کی رونق بھی جاتی رہی دہلی کو انگریزوں نے صوبہ پنجاب کی ایک کمشنری کا درجہ دے
دیا۔ یکم دسمبر ۱۸۵۸ء کو سوائے عالم الیسٹ انڈیا کمپنی جو ہندوستان پر فرماں روائی کرتی تھی
توڑ دی گئی اور ہندوستان کے اقتدار اعلیٰ کو انگلینڈ کے بادشاہ کے زیر نگین کر دیا گیا۔
انگریز حکمرانوں نے اپنا دارالحکومت کلکتہ کو بنایا جب کہ شملہ ان کا موسم گرما کا کیپٹل ہوتا تھا
۱۸۷۶ء میں پرنس آف ویلز ایڈورڈ ہفتم دہلی آیا۔ ملکہ وکٹوریہ کا اعلان شاہی ۱۸۷۷ء میں بھی
یہیں سے ہوا ۱۹۰۳ء میں وائسرائے ہند کے ذریعے نیابتی تاجپوشی دہلی میں ہوئی جس میں
بادشاہ انگلستان کے قیصر ہند ہونے کا اعلان کیا گیا۔ جارج پنجم کی باقاعدہ تاجپوشی ۱۲ دسمبر
۱۹۱۱ء میں دہلی میں ادا کی گئی۔ نئی دہلی کا سنگ بنیاد ۵ دسمبر ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم
نے رکھا اور دہلی کو دارالحکومت قرار دیا گیا۔ نیا شہر بسایا گیا اور نیو دہلی دارالحکومت کی
تعمیرات پر تقریباً ۱۳ کروڑ روپیہ صرف ہوا۔

برٹش سامراج کا خاتمہ پاکستان سے ۱۴ اگست اور ہندوستان سے ۱۵ اگست
۱۹۴۷ء کو ہو گیا۔ اور برصغیر میں دو آزاد مملکتیں پاکستان اور ہندوستان معرض وجود
میں آ گئیں۔ غلامی کا خاتمہ ہوا لیکن انتقال اقتدار کے بعد دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام
شروع ہو گیا۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ دہلی کی نصف لاکھ سے زائد مسلم آبادی قتل
کر دی گئی جو بچ رہے انہیں پرانا قلعہ اور مقبرہ ہمایوں کے علاقہ میں رفیوجی کیمپ بھیج
دیا گیا جہاں انتہائی مصائب سے دوچار ہونے کے بعد انہیں پاکستان روانہ کر دیا گیا۔ دہلی

کے چند ایک قدیم محلے گلیوں میں ایک چوتھائی مسلم آبادی غیر مسلموں کی تیغ ستم سے بمشکل بچ پائی یہ لوگ زیادہ تر دہلی کی جامع مسجد کے قریب میں رہتے ہیں۔

دور حاضر کے مؤرخ دہلی کو "لافانی ققنس" کا خطاب دیتے ہیں۔ غالباً اس وجہ سے کہ اس شہر کا سہاگ متعدد بار لٹا لیکن ہر بار خاکستر سے ایک نئے رنگ روپ اور انوکھے بانکپن سے یہ عروس البلاد جلوہ گر ہوتی رہی۔ ہندوستان کی تاریخ دہلی کے گرد گھومتی دکھائی دیتی ہے۔ دہلی آج بھی ایک عالم میں انتخاب اور منتخب روزگار لوگوں کا مسکن ہے آج کا دہلی ایک کاسمو پولیٹین شہر ہے قدیم اور جدید بستیوں میں آباد لوگوں کی تعداد ، لاکھ سے زائد بیان کی جاتی ہے ماڈرن بستیوں کے علاوہ کئی لاکھ جھگیاں شہر کے چہرہ پر بدنما داغوں کے مصداق ہیں امیر و غریب کا معاشی و معاشرتی تفاوت جتنا یہاں دیکھنے میں آتا ہے شاید ہی تیسری دنیا کے کسی ترقی پذیر ملک میں ہوگا یہ امر قابل صد افسوس ہے کہ دہلی کے ٹاؤن پلینروں نے اسلامی تہذیب و تمدن کے بے شمار آثار مٹا ڈالے۔ بیشتر مقابر و عمارات کا ذکر اب کتابوں میں ہی رہ گیا ہے، شاہجہان آباد کی تاریخی فصیل اور مشہور عالم ترکمان دروازہ دہلی امپرومنٹ ٹرسٹ کے ستم کا اولین شکار تھے، قطب روڈ کے کوئی دس میل ایریا میں مزارات کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر ماڈرن عمارات تعمیر کی گئی ہیں، مہندیوں کے وسیع قبرستان کا بھی یہی حشر ہوا، وہاں سرکاری ملازمین کے لئے کئی منزلہ فلیٹوں کی قطاریں نظر آتی ہیں۔ کتنے ہی اکابر کے مقابر مسمار کر دیئے گئے۔ علی محمد خان شیر میوات کی دیوانہ وار عدالتی چارہ جوئی سے حضرت شاہ ولی اللہ کا احاطہ قبور حکام کی دست برد سے بچ رہا۔

بستی حضرت نظام الدین کے نواح میں پرانی اور نئی تہذیب کے دو شاہکار آمنے سامنے لقائے باہمی کا نمونہ بنے زائر کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں ہماری مراد مقبرہ ہمایوں اور اوبرائے انٹر نیشنل ہوٹل سے ہے اس کے قریب چوک کے درمیان کسی خان جہاں کا نیلی کاشی کاری والا گنبد دکھائی دیتا ہے جو حسرت و یاس کا نمونہ بنے بدلتے زمانہ اور بدلتی دنیا کو تک رہا ہے وہ جگہ جہاں امیر تیمور سے تغلقوں کی جنگ ہوئی تھی اب تغلق آباد کے ایک ویران کونے میں جدید میڈیکل دلپذیر انسٹی ٹیوٹ کی شکل دکھائی دیتی ہے۔

چند مشاہیر دہلی

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ (م ۱۲۸۶ھ) جہانگیر آباد کے مشہور رئیس اور نامور شاعر تھے، مرقد احاطہ درگاہ نظام الدین اولیاء میں ہے۔ سلطان جی کے ایک احاطہ میں ذیل کی تین قبریں ہیں مولانا علاء الدین نیلی (م ۷۶۲ھ) مولانا شمس الدین یحییٰ (م ۷۴۷ھ) مولانا فخرالدین مروزی (م ۷۳۶ھ)

خواجہ حسن نظامی کا مزار حضرت امیر خسرو کے مزار سے ذرا آگے جا کر گلی میں واقع ہے خواجہ حسن ثانی اس کے متولی ہیں۔

مرزا اسداللہ خان غالب (م ۱۸۶۹ء) کا مزار درگاہ سلطان جی کے باہر چونسٹھ کھمبا سے متصل ہے آزادی ہند کے بعد سنگ مرمر سے نیا مزار تعمیر ہوا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے قریب ہی خان جہان ولد خان جہان تلنگی عرف جوناشاہ کا مقبرہ جو تقریباً ۷۷۲ھ میں تعمیر ہوا تھا اب تک خستہ وخراب حالت میں موجود ہے۔ خان جہان جوناشاہ کی تعمیر کردہ کالی مسجد اب تک موجود ہے اور یہاں پانچوں وقت اذان اور نماز ہوتی ہے۔

نواب سراج الدین خاں سائل۔ آپ نواب شہاب الدین خان مرحوم کے منجھلے صاحبزادے اور نواب مرزا داغ دہلوی کے داماد تھے، نہایت شکیل و وجیہہ انسان تھے بامذاق خوش گفتار، متواضع اور اخلاق حسنہ کے پتلے تھے قادرالکلام اور باکمال شاعر تھے ایک زمانہ میں لال دروازہ میں رہتے تھے جو لال کنوئیں کے بازار میں تھا۔ دہلی میں آسودہ ہیں ان کے نواسہ جناب جسٹس غلام مجدد مرزا حال ہی میں سپریم کورٹ آف پاکستان کی ججی سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

حکیم اجمل خاں مرحوم ہندوستان کے چوٹی کے طبیب تھے بڑے دردمند مسلمان تھے برصغیر کی جنگ آزادی کے سرخیل تھے۔ دہلی کیا پورے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے آپ کی ذات باعث فخر تھی جنگِ آزادی کے دوسرے عظیم رہنما مولانا شوکت علی کا مزار بھی دہلی میں ہے۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی والدہ محترمہ بی بی اماں حضرت شاہ ابوالخیر کی درگاہ کے احاطہ میں آسودہ ہیں۔

حافظ حاجی شاہ ابوالخیر ۱۲۷۲ھ میں اسی خانقاہ میں پیدا ہوئے جہاں دفن ہیں

آپ حضرت شاہ محمد عمر مجددی فرزند دوئم شاہ احمد سعید مجددی کے صاحبزادہ تھے ۱۸۵۷ء کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور سید حبیب الرحمٰن اور سید احمد مکی سے علوم متداولہ میں کامل لیاقت حاصل کی۔ کبھی کبھی شب کو حدیث شریف کا درس بھی دیتے تھے اکثر ترجمہ کلام مجید بیان فرماتے بہت خلوت پسند تھے۔ خانقاہ دہلی کا دروازہ اکثر بند رکھتے تھے لوگوں سے ملنے میں تامل کرتے تھے آپ کے صاحبزادہ عالی قدر حضرت ابوزید فاروقی مجددی نے بڑا علمی کام کیا ہے اور آپ کی ذات ستودہ صفات سے طالبین کو فیض یاب کرتے ہیں

مسجد فتح پوری (تعمیر ۱۰۶۰ھ ۱۶۵۰ء) یہ مسجد چاندنی چوک کے مغربی سرے پر شاہجہاں بادشاہ کی بیگم نواب فتح پوری محل صاحبہ نے تعمیر کرائی تھی سرتا پا سرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے نہایت خوب صورت عمارت ہے دہلی میں یہی ایک مسجد ایک گنبد والی ہے مسجد کے اندر حضرت **میراں شاہ نانوں** کا مرقد ہے جو شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے ہمعصر تھے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ جلال تھانیسری سے ملتا ہے علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے مسجد فتح پوری کے ایک حجرے میں عمر گزار دی کثیر مخلوق آپ سے فیض یاب ہوتی تھی حضرت **شاہ جلال** آپ کے خلیفہ تھے ان کا مدفن بھی اسی مسجد میں ہے۔

تقسیم ہندوستان کے بعد جو قیامت مسلمانان دہلی کے سر سے گزری اس کا مختصر تذکرہ سابقہ صفحات میں دیا گیا ہے ہزاروں مسلمان شہید ہوئے کئی لاکھ کو ہجرت کے لئے مجبور ہونا پڑا اور نتیجۃً دہلی کا تاریخی شہر مسلم عمائدین سے خالی ہو گیا۔ آج کے دور میں مسلم عمائدین میں جو اہل دہلی کے لئے باعث فخر ہیں ان میں سر فہرست حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد ٹرسٹ) ہیں دینی محاذ پر حضرت ابوزید فاروقی مجددی۔ پیر سید ضامن نظامی، شاہی امام سید بخاری، خواجہ حسن ثانی اور شیر میوات علی محمد خاں معروف ہیں اور ملی خدمات شائستہ بجا لا رہے ہیں

بائیس ۲۲ خواجہ کی چوکھٹ

ویسے تو خاک دہلی میں ہزاروں اولیاء اللہ، صلحاء و مشائخ آسودہ ہیں لیکن زبانِ زدِ عوام یہ ہے کہ دِلّی بائیس خواجہ کی چوکھٹ ہے جن بائیس ہستیوں کو لوگوں نے خواجگی کا درجہ دے رکھا ہے انہیں مرشدِ دوراں کہا جاسکتا ہے ان خواجگان عالی وقار نے اپنے اپنے عہدِ سعید میں مسلمانوں کے علاوہ جملہ مخلوقِ خدا کی خدمت کو شعار بنائے رکھا اور اسلام کے مشن کے فروغ کی سعیٔ عظیم فرمائی تھی

۱۔ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

۲۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ (مزار مہرولی)

۳۔ حضرت خواجہ بدرالدین غزنویؒ (مرقد منور درگاہ قطب صاحبؒ)

۴۔ حضرت خواجہ نجیب الدین متوکل (مزار قطب اڑچینی عرف نور رڈھنی)

۵۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی (مزار نزد مقبرہ ہمایوں)

۶۔ حضرت خواجہ امیر خسرو محبوب محبوبِ الٰہیؒ

۷۔ حضرت شیخ نصرالدین محمود چراغ دہلیؒ (مزار بستی چراغ دہلی)

۸۔ حضرت خواجہ شمس الدین محمد یحییٰ (مزار نزد درگاہ نظام الدین اولیاءؒ)

۹۔ حضرت خواجہ علاؤالدین نیلیؒ (مزار گلی بیرون درگاہ محبوب الٰہی)

۱۰۔ حضرت خواجہ محی الدین کاشانیؒ

۱۱۔ حضرت خواجہ کمال الدین (مزار نزد مرقد نصیرالدین محمود چراغ)

۱۲۔ حضرت مخدوم سماءالدین سہروردیؒ

۱۳۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ

۱۴۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

۱۵۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ

۱۶۔ حضرت خواجہ فخرالدین فخر جہاںؒ

۱۷۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ

۱۸۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

۱۹۔ حضرت شاہ محمد فرہاد دہلویؒ

۲۰۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلویؒ

۲۱۔ حضرت شاہ محمد آفاقؒ

۲۲۔ حضرت خواجہ ابو سعیدؒ

مسلمان فرماں روایان دہلی

نام	وفات	مدت حکومت	مدفن
۱۔ شہاب الدین غوری	(م۔ ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵ء)	دہلی پر حکمرانی قلیل عرصہ	
۲۔ قطب الدین ایبک	(م۔ ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء)	چار سال	لاہور
۳۔ آرام شاہ ابن قطب الدین ایبک		چند ماہ	نامعلوم
۴۔ شمس الدین التمش ابن ایلم خاں	(م ۶۳۵ھ / ۱۲۳۵ء)	۲۶ سال	نزد قطب مینار دہلی
۵۔ رکن الدین فیروز شاہ ابن التمش		نصف سال	ملک پور (دہلی)
۶۔ رضیہ سلطانہ بیگم بنت التمش	(م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء)	۳½ سال	محلہ بلبل خانہ دہلی
۷۔ معزالدین بہرام شاہ ابن التمش	(۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء)	۲ سال سے کم	ملک پور دہلی
۸۔ علاؤالدین مسعود ابن رکن الدین فیروز شاہ	۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء	۴ سال	نامعلوم
۹۔ ناصرالدین محمود ابن التمش	(۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء)	۲۰ سال	دہلی
۱۰۔ الغ خاں عرف غیاث الدین بلبن	(۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء)	۲۱ سال	دہلی
۱۱۔ معزالدین کیقباد ابن ناصرالدین بغرا خان	۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء	۲ سال	دہلی
۱۲۔ کیومرث بن غیاث الدین بلبن	۶۸۹ھ	چند ماہ	نامعلوم
۱۳۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی ابن یغرش	۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء	۶ سال	نامعلوم
۱۴۔ رکن الدین ابراہیم ابن جلال الدین فیروز شاہ	ـــ	۴ ماہ	نامعلوم
۱۵۔ علاؤالدین خلجی ابن شہاب الدین مسعود	(۷۱۵ھ / ۱۳۱۵ء)	۱۹ سال	نزد قطب مینار
۱۶۔ شہاب الدین عمر ابن علاؤالدین خلجی	ـــ	۳ ماہ	نامعلوم
۱۷۔ قطب الدین مبارک شاہ ابن علاؤالدین خلجی	(۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء)	۵ سال	نامعلوم
۱۸۔ حسن خاں عرف ناصرالدین خسرو	(۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء)	۴ ماہ	نامعلوم

نام	وفات	مدت حکومت	مدفن
۱۹۔ غیاث الدین تغلق ابن ملک تغلق	ر سنہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء	۴ سال	تغلق آباد دہلی
۲۰۔ محمد عادل تغلق ابن غیاث الدین	ر سنہ ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء	۲۷ سال	تغلق آباد دہلی
۲۱۔ فیروز شاہ تغلق ابن سالار رجب	ر سنہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	۳۸ سال	حوض خاص
غیاث محمد ابن تغلق شاہ، شہزادہ فتح خاں ابن فیروز تغلق ناصر الدین محمد ابن فیروز تغلق	سنہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء	قلیل	حوض خاص
۲۲۔ غیاث الدین تغلق شاہ ثانی ابن شہزادہ فتح خاں	سنہ ۷۹۱ھ ۱۳۸۸ء	۵ ماہ	
۲۳۔ ابوبکر شاہ ابن ظفر خاں ولد فیروز شاہ	سنہ ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء	۱½ سال	
۲۴۔ ناصر الدین ابن فیروز شاہ	سنہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۳ء	قلیل	حوض خاص
۲۵۔ علاؤ الدین سکندر ابن ناصر الدین محمد	سنہ ۷۹۶ھ	قلیل	حوض خاص
۲۶۔ ناصر الدین محمود ابن ناصر الدین محمد	سنہ ۸۱۵ھ ۱۴۱۲ء	قلیل	نامعلوم
۲۷۔ ناصر الدین نصرت ابن شہزادہ فتح خاں		چند یوم	نامعلوم
۲۸۔ اقبال خاں ملّو پٹھان		چند یوم	نامعلوم
۲۹۔ امیر تیمور ابن طراغای	سنہ ۸۰۷ھ ۱۴۰۵ء	۱۵ یوم	سمرقند
۳۰۔ دولت خاں لودھی	سنہ ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء	چودہ ماہ	فیروز آباد
۳۱۔ سید خضر خان ابن ملک سلیمان	سنہ ۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء		دہلی
۳۲۔ سید معز الدین ابوالفتح ولد خضر خان	سنہ ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء	۱۳ سال	کوٹلہ مبارک پور
۳۳۔ سلطان محمد شاہ ابن فرید خاں بن سید خضر خاں	سنہ ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء	۱۲ سال	متصل مقبرہ صفدر جنگ
۳۴۔ علاؤ الدین عالم شاہ بن محمد شاہ	سنہ ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء	۶½ سال	نامعلوم
۳۵۔ سلطان بہلول لودھی ابن ملک کالا	سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء	تقریباً ۳۹ سال	بجوار چراغ دہلی

نام	وفات	مدت حکومت	مدفن
۳۶۔ سلطان سکندر لودھی ابن بہلول	۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء	۲۸ سال	دہلی
۳۷۔ ابراہیم لودھی ابن سکندر لودھی	۹۳۲ھ ۱۵۲۵ء	۸ سال	پانی پت
۳۸۔ ظہیرالدین محمد بابر ابن عمر شیخ میرزا	۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء	۴½ سال	کابل افغانستان
۳۹۔ نصیرالدین محمد ہمایوں	۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء	۱۲ سال	دہلی
۴۰۔ فرید خاں عرف شیر شاہ سوری	۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء	۴½ سال	سہسرام بہار
۴۱۔ جلال خاں عرف اسلام شاہ	۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء	۸ سال	—
۴۲۔ فیروز شاہ ابن اسلام شاہ	۹۶۰ھ ۱۵۵۲ء	۳ یوم	—
۴۳۔ مبارز خاں عرف محمد عادل شاہ ولد نظام خاں	۱۵۵۴ء	۲ سال	—
۴۴۔ سلطان ابراہیم		۲ ماہ	—
۴۵۔ احمد خاں عرف سکندر شاہ سور ولد حسین خاں		۲ ماہ	—
۴۶۔ جلال الدین محمد اکبر	۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء	۵۱ سال	سکندرہ آگرہ
۴۷۔ نورالدین محمد جہانگیر	۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء	۲۱½ سال	لاہور
۴۸۔ مرزا بلاقی عرف سلطان داور بخش ابن شہزادہ خسرو بن شہنشاہ جہانگیر	۱۰۳۷ھ	۲ ماہ	نامعلوم
۴۹۔ شہاب الدین محمد شاہجہان (اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۵۸ء میں قید کرکے خود تخت پر بیٹھا۔ عالمگیر کے نویں سال جلوس شاہجہان نے انتقال کیا)	۱۰۷۶ھ ۱۶۶۶ء	۳۲ سال	تاج محل آگرہ
۵۰۔ ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء	۵۰ سال	اورنگ آباد (دکن)
۵۱۔ محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول	۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء	۵ سال	علاقہ قطب صاحب دہلی
اس کا بھائی شہزادہ محمد اعظم	۱۱۱۹ھ ۱۷۰۸ء		مقبرہ ہمایوں میں دفن ہے

نام	وفات	مدت حکومت	مدفن
۵۲۔ معزالدین جہاندار شاہ	۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء	۱۱ ماہ	مقبرہ ہمایوں کے چبوترہ پر دفن ہے۔
۵۳۔ جلال الدین فرخ سیر	۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء	۶ سال	دہلی (صحن مقبرہ ہمایوں)
۵۴۔ محمد ابوالبرکات سلطان رفیع الدرجات	۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء	۳ ماہ	"
۵۵۔ شمس الدین رفیع الدولہ	۱۱۳۱ھ	چار ماہ	"
۵۶۔ روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ	۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء	۲۹ سال	درگاہ نظام الدین اولیاءؒ
۵۷۔ مجاہدالدین ابوالنصر احمد شاہ	۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء	۶ سال	مقبرہ ہمایوں
۵۸۔ عزیزالدین عالمگیر ثانی	۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء	۵ سال	"
۵۹۔ احمد شاہ ابدالی		چند ہفتے	قندھار
۶۰۔ ابوالمظفر جلال الدین عالی گوہر	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء	۴۸ سال	قطب صاحب دہلی
۶۱۔ شاہ جہان ثانی بن کام بخش بن عالمگیر ثانی		برائے نام بادشاہ رہا	
۶۲۔ بیدار بخت ابن احمد شاہ			
۶۳۔ معین الدین اکبر شاہ ثانی	۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء		قطب صاحب دہلی
۶۴۔ ابوالمظفر سراج الدین بہادر شاہ	۱۸۶۲ء		رنگون (برما)

دہلی میں جو بھی پرشکوہ اور عظمت والی قدیم عمارتیں موجود ہیں جنہیں قابلِ ذکر اور قابلِ دید تاریخی جگہیں مانا جاتا ہے وہ سب کی سب اسلامی عہد کی یادگار ہیں۔

وہ مہر الفت کی داستانیں   وہ صاحبانِ جنون کہاں ہیں؟
وہی ہے صحرا، وہی ہے گلشن   کہاں ہے فصلِ بہار رفتہ؟

گذرے دنوں اور گذرے لوگوں کا تذکرہ زندہ قومیں یاد رکھا کرتی ہیں کہ یہ نسلوں کے لئے مشعلِ ہدایت اور شمعِ علم و حکمت کے مصداق ہے کسی مغربی کا قول ہے کہ جو قوم اپنے ماضی سے اپنا رشتہ قائم رکھنے میں ناکام رہتی ہے سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں کاٹ دی گئی ہوں۔ نیکو نام عمائدین میں بطورِ خاص اولیائے کرام کا ذکرِ خیر بھی ہوگا۔ جن کی ہستیوں کے آگے تاریخ کے صفحات نے احتراماً سر جھکا کر اپنے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے۔ جن کے حسنِ عمل کی خوشبو سے آج صدیوں بعد بھی ایک عالم معطر و معنبر ہے اور جن کے خدمتِ اسلام و خدمتِ خلق کے اعمالِ صالح کے انمٹ نقوش نسلاً بعد نسلاً عوام کے لوحِ دل پر ثبت ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ ؎

جانثاروں نے تیرے کر دیے جنگل آباد   خاک اڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے۔

آستانہ سلطان جی

قبلۂ خسرواں روئے زمیں   سروراں خاک گشتہ در رہ تو
درگہ تست آسمانِ دگر   ماہ و خورشید پاسبانش نگہ۔

حضرت نظام الدین اولیاء سلطان جی کے لقب سے عوام میں مشہور رہیں۔ ان کی درگاہ مغل شہنشاہ شہاب الدین محمد شاہ جہان کی بسائی ہوئی دلّی سے تقریباً چار میل باہر اور انگریزوں کی تعمیر کردہ دہلی کی حدود میں واقع ہے۔ ایک طرف بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کا عالی شان مقبرہ ہے اور دوسری طرف ابوالمنصور صفدر جنگ کا مقبرہ، درمیان میں محبوب الٰہی سلطان جی کا روضہ ہے۔ ہمایوں کا مقبرہ شان و شوکت میں آگرہ کے تاج محل کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن برصغیر پاک و ہند کی کسی بھی خوبصورت عمارت سے کم حسین نہیں ہے۔

وزیر صفدر جنگ کا مقبرہ بادشاہ ہمایوں کے مقبرے کی ایک ناقص نقل ہے کسی زمانہ میں یہاں ایک مدرسہ اور آباد مسجد بھی تھی یہ دونوں مقبرے مغلیہ دور حکومت کے آغاز عروج اور ابتدائے زوال کی یادگار ہیں۔

حضرت سلطان جی کے وصال کو ہمایوں بادشاہ سے دوگنا زمانہ گذر چکا ہے اور صفدر جنگ کی وفات سے تقریباً تین گنا عرصہ ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود سلطان جی کی قدر و منزلت باقی ہے۔ بلکہ روز افزوں ہے اور نامی بادشاہوں اور سلاطین کے نام و نشان زوال پذیر ہو کر مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ بستی نظام الدین دہلی میں ہر شخص اس ارادے سے پہنچتا ہے کہ سلام و فاتحہ عرض کرے۔

جملہ آری بادب، بندہ صفت، حلقہ زنند — گر درِ ایں بارگہِ عشق کہ سلطان ایں جاست

حضرت محبوب الٰہی کے آستانہ عالیہ پر حاضری دینے والے زائر کے ہاتھ بے اختیار فاتحہ کے لئے آپ کے قدموں میں دفن ہوئے والی مغل شہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہان پادشاہ کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ وہی شہزادی ہے جو فقرا کی مددگار اور اولیاء کی عقیدت کیش تھی۔ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کی قبر سادہ ہو اور اس پر یہ شعر کندہ کرا دیا جائے۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا — کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

حضرت سلطان جی کے روضہ کی عمارت سنگِ مرمر سے بنی ہوئی ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی تعمیر کا مفصل حال گذشتہ مقالہ میں بیان کیا گیا تھا۔ البتہ درگاہ شریف کے کتبوں کا تذکرہ نہیں ہو پایا تھا۔ تبرکاً وہ کتبے یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

نواب سید فرید خاں عرف مرتضیٰ خاں شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں بڑا صاحب اقتدار امیر تھا۔ اس کے نام حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے کتنے ہی مکتوبات ہیں۔ نواب فرید خاں نے فرید آباد بسایا تھا۔ شہنشاہ جہانگیر کے دور میں احیائے شریعت اسلامی کے لئے موصوف کی بڑی خدمات تھیں۔ نواب فرید خاں نے حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں ایک سنگ مرمر کی لوح ۱۰۲۷ھ میں نصب کرائی تھی اس پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

شکر کہ در روضۂ حضرت غوث الانام	از پئے تعمیر شد خانِ فلک احتشام
مہرِ نسب را شرف اوجِ شرف را شہاب	سید عالی نسب میر فلک احترام
بانی او ہاشمی ساعی او ہاشمی	آنکہ بدو لان شاہ بست سخن را نظام

از پئے تاریخ آں چوں متفکر شدم — کلکِ خود زد رقم قبلہ گاہِ خاص وعام
رُو ستے بندگاہِ او آر فریدوں بصدق — شاید از الطافِ پیرکارِ تو گردد نظام

حضرت سلطان جی کے مزار کے اندر جو چھپر کھٹ بنا ہوا اس کے چاروں طرف سیپ کی پچی کاری سے نہایت ہی خوبصورت خط میں اشعار کندہ کئے گئے ہیں۔ جو اب بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ خدمت بھی نواب فرید خاں نے ہی کرائی تھی۔

شیخ دہلی نظام را دو فرید — کارِ دنیا و دین مہیا کرد
یک فریدش مقام فانی داد — یک فریدش مقام اجبا کرد
مرتضیٰ خاں فراز مرقد او — قبۂ چوں سپہر برپا کرد
ابرِ فیروزی از جہاں برخاست — دُرِ یکدانہ در صدف جا کرد
بر جہاں کعبۂ مربعٔ او — چادر از چہار عددا کرد
عرشہ مرقدِ مبارک او — بر زمیں کار عرشِ اعلیٰ کرد
عرش در پائے چار قائمہ اش — چار تکبیر بے محابا کرد
ہر کہ رُخ از مقام او تابید — پشت بر کعبۂ معلّا کرد
زانکہ او در سجود او آورد — رُخ چو آئینہ مصفّا کرد
خاکِ ادب مقامش او باشی — میتواں کرد صد مسیحا کرد
سالِ تاریخ ایں بنا جستم — قبۂ عقل شیخ القا کرد
قدر بانی او رفیع کناد — آنکہ ایں ہفت سقف خضرا کرد

حضرت نظام الدین اولیاء کے روضہ کا جو حجرہ ہے اس پر چاندی کے پترے چڑھے ہوتے ہیں جن پر ابھرے ہوئے حروف میں اشعار لکھے ہیں۔

بہ طفیلِ ہمہ قبولم کن — اے الٰہِ من و الٰہِ ہمہ
خسرو از تو پناہ می جوید — اے پناہِ من و پناہِ ہمہ
اے بدر ماندگی پناہِ ہمہ — کرم تست عُذر خواہ ہمہ
قطرۂ ز ابرِ رحمت تو بس است — شُستنِ نامہ سیاہِ ہمہ

ایک سائیڈ پر یہ رباعی بھی کندہ ہے۔

نظام دو گیتی شہ ماہ و طین — سراج دو عالم شدہ بالیقین

چو تاریخ فوتش بجستم زغیب — ندا داد ہاتف "شہنشاہ دیں"

۷۲۵ ہجری

درگاہ شریف میں اور بھی بہت سے کتبہ جات ہیں جو مٹ مٹا گئے ہیں۔ اگر کچھ نامکمل متن پڑھا بھی جاتا ہے تو نقصِ مضمون یا پورا مصرع سمجھ میں نہیں آتا۔

مقبرہ حضرت امیر خسروؒ

تاریخِ عالم میں آپ کی منفرد شخصیت ہے۔ شاید آپ اپنے تمام تر فنون و حسنات کے باوصف گوشۂ گمنامی میں رہ جاتے لیکن حضرت محبوبِ الٰہی کی صحبت اور فیضانِ نظر کے اثر سے تاقیامِ دیدوراں آفتاب و مہتاب آپ زندہ و تابندہ رہیں گے۔ آپ کی ذات مجموعۂ کمالات تھی۔ شاعر۔ صوفی۔ مورخ۔ ادیب مصاحب پادشاہان۔ امیر عساکر سخی بے مثل غرضیکہ کس کس کی حیثیت کا ذکر کیا جائے۔ آپ کے خیالات پر ایک مفصل مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے اس کے اقتباس کا اعادہ یا تکرار بے محل نہ بھی نامناسب ضرور ہوگا۔۔ یہاں صرف آپ کے مزار اور کتبوں کے بارے میں ہی کچھ لکھا جائے گا۔

شہنشاہ ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کے عہدِ حکومت میں ایک امیر سید مہدی تھے۔ انہوں نے حضرت امیر خسرو کی پختہ قبر اور اس کا چوبی کٹھرا ۹۳۷ ہجری مطابق ۱۵۳۰ء میں تعمیر کرائے تھے۔ حضرت امیر خسرو اپنے مرشد بے مثل سلطان اولیاء کے قدموں میں چند گز کے فاصلہ پر ہی محو استراحت ہیں۔ حضرت امیر خسرو کے روضہ کے باہر سنگِ مرمر کی ایک تختی پر جو قطعہ کندہ کرا دا لکھوایا اور نصب کرایا تھا وہ مولانا غلام علی صاحب پدرِ بزرگوار محمد قاسم (مشہور مورخ) کا نتیجۂ فکر تھا۔

قطعہ

زہے برا این لوح شد سرفرازی — بدوران بابر شہنشاہ غازی
میر خسرو خسروئے ملکِ سخن — آب حیاط فضلِ دریائے کمال

نثر او دلکش ترانۂ سامعین　　نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل بستاں سرائے بے قرین　　طوطیٔ شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او　　چوں نہادم سر بزانوئے خیال
شد "عدیم المثل" یک تاریخ او　　دیگرے شد "طوطیٔ شکر مقال"

۷۲۵ھ　　۷۲۵ھ

دوسرا کتبہ ملاحظہ ہو۔

زحرفِ وصل جاناں سادہ آمد لوح خاکِ من　　طریق سادہ لوحی بس نشانِ عشق پاک من
مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال　　شد بانی ایں اساس بے شبہ و مثال
گفتم سنیٔ جمیل مہدی خواجہ　　تاریخ بنائے او چو گردید سوال

حضرت امیر خسروؒ کے مرقد کے ارد گرد (اندرونی حصہ میں) سرخ سنگی جالیوں کے اوپر یہ اشعار کندہ ہیں۔

اے شربت عاشقی بجامت　　ذر دوست زباں زباں پیامت
شد سلک فرید از تو منظوم　　دانست کہ شد لقب نظامت
جاوید بقاست بندہ خسرو　　چوں شد بمراد جاں غلامت
اے خسرو بے نظیرِ عالم　　بار و ضہ تو مرا نیاز ست
تعمیر نمود طرز آں را　　فیض ازلی ہمیشہ باز ست
تاریخ بنائش عقل گفتا　　با روضہ بگو کہ جائے راز ست

حضرت امیر خسرو کے مزار کے احاطہ میں جالیوں پر کندہ مصرعے اب بڑی مشکل سے پڑھے جاتے ہیں۔ ہر جالی پر دو دو مصرعے کندہ ہیں۔

شہ ملک سخن خسرو میر و سالار درویشاں　　کہ نامش ہست بر لوحِ جہاں چوں نقش دعا
چناں در بیت خوبی سخن پرداز شد طبعش　　کز ہیچ او داد زاں صورت بخوبی لوح ہستی را
شدہ غواص دریائے تفکر و ز طبع افضل　　برون آورد دُرہائے معانی را ازاں دریا
بسال پنج بیست و ہفتصد از ہجرت حضرتؐ　　زوال الملک دنیا کہ در رحلت جانب عقبیٰ!
بشد چوں مرغ روحش سدرہ ماوا شد　　ندائے ارجعی چوں در رسید از عالم بالا
گزشتہ بود سی و ہشت و نہصد سال از ہجرت　　بدوران ہمایوں پادشاہ غازی دانا

شہنشاہے کرمی شاید اگر کردو بیاں دایم
دعائے دولتش گویند نزد رب الاعلےٰ

رفیع القدر صاحب دولتی پاکی کہ در عالم
تہہ دست دنیا شد مثل او بے مثل بے سما

خدایا تا جہاں باشد بدولت باشد و بادشش
خداوند جہاں یار و معین و ناصر الاعدا

یاران چبوترہ

حضرت امیر خسروؒ کے احاطہ درگاہ کے گرداگرد بہت سی قبریں ہیں۔ ان میں بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء و صلحا محو خواب ہیں۔ چند ایک کے نام نامی یہ ہیں۔

خواجہ شمس الدین ماہ رو۔ امیر خسرو کے بھانجے۔ حضرت مولانا علاؤ الدین نیلی۔ حضرت محبوب الٰہی کے خادم خاص خواجہ اقبال۔ خواجہ مبشر۔ خواجہ نور الدین مبارک۔ خواجہ مبارک گوپاموی۔ صاحب تاریخ فیروز شاہی مولانا ضیاالدین برنی۔ خواجہ عزیز الدین۔ خواجہ قاضی صاحب۔ خواجہ سید عمر۔ مولانا قاسم خواجہ۔ حضرت خواجہ مولانا کمال الدینؒ۔ خواجہ عبدالرحیم عرف خواجہ عبدالرحمٰن۔ امیر حاجی ابن حضرت امیر خسروؒ۔

یاران چبوترہ کے علاوہ اسی احاطہ درگاہ میں اور بھی بہت سے اکابر مدفون ہیں ان میں بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

خواجہ عطاء اللہ ابن خواجہ میر احمد بیدری۔ حاجی لال محمد خلیفہ خاص مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی۔ مولانا غلام فرید خلیفہ مولانا فخر الدین دہلوی۔ خواجہ محتشب علی پسر مولانا محمدؒ دارا سے خاں بہادر۔ نواب نظر بہادر خاں۔

ان اصحاب کی قبروں پر کتبے موجود نہیں ہیں۔ خانقاہ سے متعلق ذی علم لوگ اپنی یادداشت کی بنا پر بعض اہل قبور کی نشاندہی کر دیتے ہیں
واللہ اعلم۔

سعادت علی خاں گورنر اودھ کے بلاوے پر ہندستان وارد ہوا اور اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی۔ مغلیہ دربار میں ایک معمولی منصبدار تھا۔ لیکن ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملہ ہند کے نتیجہ میں جو تباہی اور غارت گری ہوئی۔ اس کے فوراً بعد درباری مشیروں میں صفدر جنگ کافی مقبول ہو گیا اور ان مشیران شاہ چرب زبانی نے صفدر جنگ جیسے معمولی قابلیت کے آدمی کو وزیر اعظم کے بڑے عہدہ پر فائز کرا دیا۔

زوال پذیر مغلیہ دربار نے جو محلاتی سازشوں کا اکھاڑہ بن چکا تھا صفدر جنگ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا بالآخر صفدر جنگ کو مستعفی ہونا پڑا اور جب تک زندہ رہا دربار کی سازشوں کا شکار رہا۔ آخر موت نے ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۴ء میں اس کو شکار کیا صفدر جنگ کی قبر کا کتبہ یوں ہے۔

چوں صفدر عرصۂ مردمی   زدار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم   کہ بادا مقیم بہشت بریں

بادشاہان لودھی کے مقبرے

مقبرہ صفدر جنگ کے سامنے جو سڑک حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ کو جاتی ہے اس پر شاہان لودھی کے مقابر کے گنبد دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ اس جگہ چار بادشاہوں کے مقبرے ہیں ایک مقبرہ سادات خاندان کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے جو نہایت ہی خستہ حالت میں ہے لودھی بادشاہوں کے مقبرہ پر کوئی تختی موجود نہیں اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون سی قبر کسی بادشاہ کی ہے۔ ان مقابر میں سکندر لودھی کا مقبرہ (جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے) کافی مضبوط عمارت ہے۔ حوادث زمانہ نے اس عمارت پر ذرا کم دستبرد کی ہے۔ سلطان سکندر شاہ لودھی کا عہد سلطنت ۱۴۸۸ء تک رہا۔ اس کے والد سلطان بہلول لودھی کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔ سکندر لودھی کا مقبرہ اس کے بیٹے سلطان ابراہیم شاہ ثانی نے ۹۲۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ سکندر لودھی کی نعش آگرہ سے لائی گئی تھی اور اس مقام پر تدفین کی گئی تھی۔

مقبرہ مبارک شاہ

مقبرہ صفدر جنگ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر سنگ خارا سے بنی ہوئی خوب صورت عمارت سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ ہے۔ اس بادشاہ نے شہر مبارک آباد (دہلی) بسایا تھا۔ اس کا ہندو وزیر سردار الملک تھا جس نے ایک ہندو قاتل کو مبارک شاہ کے قتل کے لیے مقرر کیا۔

چنانچہ ۸۲۷ ہجری کے ماہ رمضان میں مبارک شاہ قتل کر دیا گیا اور یہاں دفن ہوا۔ اس مقبرہ کے تھوڑے فاصلہ پر جنوب مغرب کی جانب تین گنبدوں اور پانچ دروں کی ایک مسجد دوہرے دالانوں والی ہے جس کی عمارت تمام تر تعمیر سنگ خارا سے کی گئی ہے مسجد کی عمارت ابھی تک کھڑی ہے مسجد ویران ہے۔

موٹھ کی مسجد

اسی علاقہ میں یہ مسجد مقبرہ مبارک شاہ کے قریب ہی واقع ہے۔ سلطان سکندر شاہ لودھی ثانی کے عہد میں ۸۹۴ھ میں یہ مسجد بنائی گئی تھی۔

روایت یہ ہے کہ کسی شخص کو راستہ چلتے ایک دانہ موٹھ ملا اس نے یہ دانہ بو دیا۔ پھر کرتے کرتے ایک دانہ سے فصل بنتی اور بڑھتی گئی حتیٰ کہ کافی رقم جمع ہو گئی اور اس سے مسجد کی تعمیر کی گئی اور نام موٹھ مسجد رکھا گیا، مسجد کی عمارت ٹوٹ پھوٹ چکی ہے بے آباد ہے دیکھ کر بہت افسوس ہوا، بانی مسجد کے لیئے فاتحہ پڑھ کر بخشی۔

پاکستانی زائرین کی دو جماعتیں دہلی محبوب الٰہی اور حضرت امیر خسرو کے اعراس میں شرکت کے لیئے جاتی ہیں ایک اور قافلہ عقیدت کیشاں اجمیر شریف نذرانہ عقیدت پیش کرنے جاتا ہے ان تینوں پارٹیوں کے شرکاء دہلی پہنچتے پر وہاں کے سرکاری پروگرام کے مطابق مندرجہ ذیل درگاہوں پر اجتماعی طور سے حاضری دیتے ہیں۔

درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ حضرت نصیر الدین محمود چراغ، حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی اور درگاہ حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی

فرداً فرداً چند زائرین حضرت شاہ ولی اللہ کے آستانہ پر بھی حاضری دیتے ہیں
حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے دو ایسے عظیم خانوادے
ہیں جنہوں نے برصغیر میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے فروغ اور ہدایت کے لئے مثالی کارنامے
ہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ ان کے باعث مختلف ادوار میں فکری انقلاب پر مبنی
تحریکیں برصغیر میں مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کے لئے ابھریں اور خود تحریک پاکستان
بھی ۔ یہ بھی عرض کردوں کہ سرسید احمد خاں مرحوم سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت تھے
حضرت شاہ ولی اللہ کا مکتب فکر اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ آج بھی برصغیر میں
عظیم دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔

ہمارے مقالہ میں صلحائے اور اولیاء اللہ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ جو فاتحوں بادشاہوں
اور کشورکشاؤں کا بھی ذکر آتا رہا ہے ۔ وہ اس بنا پر بھی ہے کہ گو انہوں نے باقاعدہ تبلیغ
اسلام کی کوئی کوشش نہیں کی لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی بدولت اسلام کے مبلغوں کی
کاوشیں بارآور ہوتی گئیں اور مسلمانوں کی تعداد برصغیر، پاکستان وہندوستان میں
بڑھتی رہی مقبروں، محلات اور دیگر عمارات نفیسہ جو مسلمان سلاطین و امراء نے تعمیر
کرائیں انہیں بعض لوگ فضول خرچی بدعت اور اظہار سطوت، و تفاخر سے معنون کریں
گے لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ ان نادرۂ روزگار تعمیرات کو دیکھنے سے کیا مسلمان کیا غیر مسلم
سب کے دلوں پر اسلامی جاہ وجلال اور شان وشوکت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور یوں محسوس
ہوتا ہے کہ جیسے ان قلعوں مقابر و مساجد کے مینار اور برج اسلام اور اہل اسلام
کی حشمت وجبروت کے پرچم ہیں جو پورے شان سے لہرا رہے ہیں ۔ برصغیر کے مسلمان
حکمران چاہے کا ملاً اسلامی شریعت کے علمبردار نہ بن پائے ہوں لیکن وہ دین حقہ کے
محافظ اور نگہبان ضرور رہے اور کسی بھی جابر حکمران نے شریعت اسلامی کی خلاف
ورزی کی جرأت اس لئے بھی نہیں کی ۔ کیونکہ انہیں یہ احساس یقیناً تھا کہ اُمت مسلمہ
کا اعتماد اور جذبہ اطاعت گزاری اس کے بغیر حاصل نہیں رہ سکتا ۔ جب تک حاکم
شرعی قوانین کا احترام ظاہری طور پر قائم نہ رکھے ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ مسلمان
بادشاہوں کو جن سیاسی اور سماجی مشکلات کا سامنا برصغیر میں کرنا پڑا جہاں کی آبادی
کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی وہ دوسرے ممالک کے مسلم حاکموں کو کبھی کبھی پیش

نہیں آئیں کیونکہ دوسرے ممالک میں آبادی کی کثرت ان حاکموں کی ہم مذہب تھی۔ آج کا مورخ ہندوستان کے مسلمان، حاکموں سے اس بنا پر ہمدردی ضرور کرتا ہے کہ اگر وہ کاملاً اسلامی آئین اور قوانین ساری رعایا کے لئے جاری کر کے حکمرانی کی کوشش کرتے تو ان کی حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکتی تھی۔

اب آئیے آپکو مہرولی لئے چلتے ہیں سب سے پہلے سڑک کے ساتھ ہی قطب مینار نظر آتا ہے جو مسجد قوۃ الاسلام کے ایک کونے پر تعمیر شدہ ہے مسجد مذکورہ کی اب سرخ رنگ سے بنی ہوئی دیواریں ہی موجود ہیں چھت اور محرابیں وغیرہ سب ختم ہو چکی ہیں۔ مسجد قوۃ الاسلام کی تعمیر ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء میں سلطان غوری کے نامور جرنیل قطب الدین ایبک نے کرائی تھی۔ یاد رہے کہ قطب الدین ایبک بعد میں بادشاہ بنا وہ اپنی عسکری مہارت اور سخاوت و دریا دلی کے لئے مشہور تھا۔ ۱۲۱۰ء میں چوگان کھیلتے ہوئے لاہور میں فوت ہوا تھا۔ انار کلی بازار لاہور میں ایبک سٹریٹ میں اس کا مقبرہ ہے جسے حکومت پاکستان نے حال ہی میں نہایت خوشنما بنوایا ہے۔ فخر مدبر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک نے سخاوت میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اور عدل میں حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید کرنے کی کوشش کی۔

حضرت امیر خسرو دہلوی نے مسجد قوۃ الاسلام کی توصیف میں اپنی مشہور مثنوی قران السعدین میں اشعار رقم فرمائے ہیں جو تبرکاً یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ ؎

صفت مسجد جامع کہ چناں ست درد — شجرہ طیبہ ہر سوئے چو طوبے بر جناں
مسجد او جامع فیض الٰہ — زمزمہ خطبہ او تا بہ ماہ
بر سر نہ تخت گرفتہ شہی — سبز کشں از خطبہ بیت الٰہی
آمدہ در دے ز سپہر کبود — فیض بیک خواندن قرآن فزود
غلغل تسبیح بگنبد دروں — رفتہ ز نہ گنبد والا بروں
گنبد او سلسلہ پیوند راز — سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز
خواندہ الم کعبہ درین خود رشں — پیش نشستہ حجر الاسود کشں
بندہ سنگش در ولعل و عقیق — زدہ آزادی بیت العتیق
ہر کہ سعادت بود کشں رہنمائے — بز درِ او سر لبذا انگاہ پائے

درِ تہ سقف اش ز سہا تا زمین — نصب شدہ جملہ ستوں ہائے دین
قامت خود کردہ موذن دراز — دادہ اقامت بہ ستونِ نماز

زائر کا دل بہت مچلتا ہے کہ یہاں اذان کہہ کر باجماعت نماز ادا کی جائے

قطب مینار (قطب لاٹ)

یہ لاٹ مسجد قوۃ الاسلام کا ایک مینار ہے یہ اپنی بلندی اور شان کے اعتبار سے دنیا بھر میں ایک منفرد حسن والی عمارت ہے مشہور ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے جو ۶۰۰ھ میں دہلی کا سلطان بنا تھا، اپنے عہد میں یہ مینار بنوایا جس کی تکمیل ۶۲۶ھ میں ہوئی۔ زینے کی سیڑھیوں کے ذریعے مینار کے اوپر جاتے ہیں سیڑھیوں کی تعداد ۳۷۹ ہے۔ مینار کے پانچ کھنڈ ہیں جن پر آیات قرآنی اور بیل بوٹے پتھر سے بنے ہوتے ہیں۔ قطب مینار سے تھوڑے ہی فاصلے پر لال کوٹ کی چار دیواری ہے اور مغربی جانب دیکھیں تو پرتھوی راج کے تباہ شدہ قلعہ کی عمارت ہے اور آگے جائیں تو جہاں پناہ کی فصیل کے ٹیلوں کے آثار ہیں۔ جہاں پناہ کے آثار سے آگے شمال مغرب کی جانب مقبرہ فیروز شاہ تغلق کا گنبد دکھائی دیتا ہے۔ قدیم بستی بیگم پور کی ویران مسجد بھی اسی علاقہ میں واقع ہے۔ ان عمارات کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

مزار التمشؒ

یہ نامور بادشاہ خاندان غلاماں کا سب سے بڑا حکمران گزرا ہے۔ اس کا والد ایلم خاں نامی ترک تھا۔ اس کی وفات ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو ہوئی تھی۔ سرسید احمد خاں نے لکھا ہے کہ مقبرہ کی عمارت سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطان نے بنوائی تھی۔ لیکن اکثر مورخوں کا خیال ہے کہ مقبرہ کی عمارت سلطان موصوف نے اپنی عین حیات میں خود ہی تعمیر کرائی تھی۔ مقبرہ کی چھت گر چکی ہے۔ دیواریں بھی اب شکست و ریخت سے دوچار ہیں

یہ نیک دل بادشاہ رات کو گدڑی پہن کر شہر میں گشت کرتا اگر کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو اس کو رفع کرتا۔ چپکے سے علماء اور صلحاء کے گھروں میں روپوں کی تھیلیاں پھینک دیتا۔ سلطان التمش حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مُرید تھا اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ رات کو اُن کے پاؤں بھی دابا کرتا تھا۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ سلطان التمش راتوں کو جاگتا۔ کسی نے اسے سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار ہو کر عالم تحیّر میں کھڑا رہتا اور اگر سو جاتا تو بیدار ہو جاتا اور اُٹھ کر وضو کرتا اور مصلّے پر جا بیٹھتا۔ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شامل ہوتا۔ نماز عصر کی چار سنتیں کبھی قضا نہیں کیں۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے اسے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ملفوظات میں سلطان التمش کا ذکر کئی جگہ کیا ہے اور عزت و احترام اور لطف و محبت سے کیا ہے۔ التمش کے کئی اقوال بطور نصیحت اپنے مریدوں کو بتلائے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ التمش نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی صحبت میں رہ کر علم لدنی اور معرفتِ باطن کے تمام رموز حاصل کئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو بھی ایک روحانی لگاؤ اس بادشاہ سے تھا۔ ایک بار اجمیر شریف سے چل کر دہلی تشریف لے گئے۔ اور التمش سے ملنے گئے۔ لکھا ہے کہ سلطان التمش کی طرف سے عام اجازت تھی کہ جو لوگ بھی فاقہ کرتے ہیں اس کے پاس لائے جائیں اور جب ایسے لوگ لائے جاتے تو وہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتا اور انہیں قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے ہاں کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا ان پر کوئی ظلم یا زیادتی کرے تو وہ التمش کے دروازہ پر باہر لٹکی زنجیر کو ہلائیں تاکہ وہ فریادیوں کے ساتھ انصاف کر سکے ورنہ روزِ قیامت کو ان کی فریاد کا بوجھ التمش کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔

سلطان التمش کی قبر پر فاتحہ پڑھنے سے ایک انجانا سا روحانی کیف حاصل ہوتا ہے۔

قبر سلطان علاؤالدین خلجی سکندر ثانی

(عہد حکومت ۶۹۵ھ تا ۷۱۵ ہجری)

علاؤالدین خلجی کی وفات ۶ر شوال ۷۱۵ھ کو ہوئی تھی۔ اس کا جنازہ سیری کے لال محل سے برآمد ہوکر مسجد قدیم میں دفن کیا گیا تھا۔ اگرچہ سلطان مذکور کا مرقد موجود ہے لیکن ایسی تباہ صورت میں ہے کہ اُسے دیکھ کر عبرت ہوتی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کی تعمیر شدہ عمارات قائم اور برقرار ہیں۔

مقبرہ ادہم خاں کوکہ

یہ مقبرہ ۹۶۹ھ میں تعمیر ہوا تھا۔ صاحب قبر ادہم خاں کی ماں نے شہنشاہ اکبر کو دودھ پلایا تھا۔ ادہم خاں دربار شاہی سے متعلق تھا۔ باز بہادر حاکم مالوہ کے خلاف مہم کا سپہ سالار وہی تھا۔ روپ متی کو حاصل نہ کر سکا۔ اس نے زہر کھا کر زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔ اور ادہم خاں کی زوجیت قبول نہیں کی۔ ادہم خاں نے اعظم خاں کو جو اکبر بادشاہ کی دوسری رضاعی ماں کا شوہر تھا۔ ناحق قتل کر دینے کے بعد شاہی حرم سرائے کے دروازے پر جا کر شہنشاہ کو پکارا۔ اکبر کو اس حادثہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ فوراً شمشیر برہنہ باہر نکلا۔ ادہم خاں کی گرفتاری کا حکم دیا کیونکہ اس گستاخ نے بخیال مزاحمت بادشاہ پر بھی تلوار سونت لی تھی۔ ادہم خاں کو قلعہ آگرہ کی فصیل سے دھکا کر مروا دیا گیا۔ لاش تدفین کے لئے دہلی بھیج دی گئی۔ اس مقبرہ میں ایک قبر ادہم خاں کی ہے اور دوسری اس کی والدہ ماہم انگہ کی ہے جو بیٹے کے قتل کے چالیس دن بعد صدمہ سے فوت ہوگئی تھی۔ اس مقبرہ کے پاس ہی ایک دوسرا مقبرہ ہے جس میں ادہم خاں کا بھائی دفن ہے۔

اب ہم قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ذکر شریف کرتے ہیں۔ جن کی درگاہ عالی پر خوش نصیب پاکستانی زائرین کو حاضری کا موقع نصیب ہوتا ہے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ المعروف قطب صاحبؒ

اے سرورِ اولیائے عالم — اے قبلۂ اصفیائے اکرم
روئے تو کہ آفتابِ حسن ست — پیدا شد از و ضیائے عالم

قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش "اوش" ہے۔ جو بقول شہزادہ دارا شکوہ سمرقند اور قصبہ اندجان (ولایت فرغانہ) کے درمیان ایک بستی تھی۔ اگرچہ آپ کا نام قطب الدین تھا۔ لیکن چونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی آپ کو بختیار کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اسی رعایت سے آپ بختیار مشہور ہو گئے اور آپ کو انہی کا دیا ہوا خطاب "قطب الاقطاب" لقب حضرت کاکی ہے آپ ڈیڑھ برس کے تھے کہ یتیم ہو گئے۔ آپ کے والد مکرم کا اسم شریف کمال الدین احمد موسٰی تھا۔ قطب صاحب شہر بغداد میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں ماہ رجب ۵۸۳ھ میں حضرت معین الدین چشتیؒ کے مرید ہوئے اور پھر بلاد وسط کے سفر میں مرشد کے ہمرکاب رہے اور حج کرنے کے بعد بغداد سے ہرات اور سبزوار ہوتے ہوئے دونوں بزرگ لاہور پہنچے۔ جہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد براستہ سامانہ (مشرقی پنجاب) دہلی وارد ہوئے۔ اور پھر اجمیر چلے گئے۔ یہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد قطب صاحبؒ ملتان گئے۔ یہ غالباً ۵۹۰ھ کا واقعہ ہے۔ شہر ملتان میں ان دنوں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر جو اس وقت پندرہ برس کے تھے یہاں پر ہی قطب صاحب نے بابا فرید کو مرید کیا۔ ملتان سے دہلی پہنچ کر خواجہ اجمیری کی خدمت میں ایک عریضہ اشتیاقیہ تحریر کیا جس کے جواب میں آپ کو دہلی میں مستقل قیام کا حکم ملا۔ چنانچہ آپ دہلی میں ہی رہے۔ مگر تین بار اجمیر شریف حاضری کے لئے گئے۔ دہلی کے سب چھوٹے بڑے قطب صاحب سے رجوع ہوئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بیس برس تک رات کو اطمینان سے نہ سوئے اور نہ ہی زمین سے پیٹھ لگائی۔ آپ کے مرید باخلاص سلطان التمش تھے۔ لیکن آپ اتنے بے نیاز تھے کہ کبھی کسی سے کوئی امداد مالی و دیگر قبول نہ فرماتے۔ آپ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو آپ کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے قرض لے کر

خورد و نوش کا انتظام کر لیتی اور پھر جب کچھ میسّر ہوتا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا۔
حضرت قطب صاحب ہر رات سوتے وقت تین ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی نسل آپ کے بیٹے خواجہ احمد سے چلی جو بعد میں خواجہ احمد تماچی کے نام سے مشہور ہوئے اور کامل ولی تھے۔

ایک روز شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی۔ قطب صاحب اس میں شریکِ مجلس تھے۔ آپ کو اس شعر پر وجد طاری ہوا ۔

عاشق رویت کجا بیند مکیں　　لیتہ رویت کجا یا بد خلاص

پھر شیخ احمد جام کی غزل کے اس شعر پر آپ ایسے بے ہوش ہوئے کہ ہوش میں نہیں آئے اور واصل باللہ ہو گئے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

آپ کی تاریخ رحلت مورخہ ۱۴، ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۲۳۵ء ہے آپ کی نماز جنازہ آپ کے مرید سلطان التمش نے پڑھائی۔
حضرت بابا فرید گنج شکر جب آپ کی قبر کی زیارت کے لئے آئے تو انہوں نے حوض شمسی کی مٹی لا کر آپ کی قبر پر لڑکریاں بھر بھر ڈالیں۔ مہرولی میں جہاں قطب صاحب آسودہ ہیں ان کی قبر کے برابر آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ احمد کی قبر کٹہرے کے اندر برابر ہی ہے۔ اور چھوٹے بیٹے سید محمود آپ کی پائیتی کٹہرے کے باہر دفن ہیں۔ قطب صاحب کی قبر کے سرہانے خواجہ عبدالعزیز بسطامی اور اوپر کافی اونچے چبوترے پر جانب پائیتی مولانا حمید الدین ناگوری آپ کے استاد محترم کی قبریں ہیں۔ اسی احاطہ میں مولانا بدرالدین غزنوی اور امام الدین ابدال حضرت ضیاءالدین دست غیب خواجہ صاحب کی دایہ کے بیٹے خواجہ شرف الدین اقبال اور دیگر بہت سے اکابر کی قبور ہیں۔

حضرت قطب صاحب کے مرقد کے سرہانے جو چراغدان سا بنا ہوا ہے اس پر یہ شعر رقم ہے۔

جام شراب الفت آنا کہ بر کشید ند
بازند جاں ببازی بازی گرہ آید۔

قطب صاحب کی سیرت و عادات

آپ حافظ قرآن تھے۔ پنج وقتہ نماز کے علاوہ ہر روز تین صد رکعت نوافل اور تین ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک کلام مجید یومیہ تلاوت فرماتے تھے۔ اور نفل نماز چھپ کر ادا کرتے کم سونا کم کھانا اور کم بولنا آپ کا شعار تھا۔ سماع کا شوق رکھتے تھے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی شاعر اور ادیب بھی تھے آپ کی تصنیف دلیل العارفین حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ دوسری تصانیف ہیں ایک رسالہ اور مثنوی قطب الدین اور فارسی دیوان ہیں۔ ایک قلمی کتاب زبدۃ الحقائق بھی دریافت ہوئی ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔

تبرکاً آپ کی ایک رباعی سن لیجیے۔

آنی کہ ترا نسبت مقام و منزل ۔۔۔ چیزے بے غیر تو نسیت بارا حاصل
در ہر دو جہان ذات تو کی می گنجد ۔۔۔ یارب تو چگونہ جائے کردی دردل

قطب صاحب کے خلفاء

یوں تو آپ کے خلفاء بے شمار تھے لیکن چند اکابر خلفاء کے نام یہ ہیں حضرت بابا فریدالدین گنج شکر (پاک پتن شریف) شیخ بدرالدین غزنوی شیخ برہان الدین بلخی۔ شیخ ضیاء الدین رومی۔ شیخ احمد بینی۔ شیخ بدرالدین موے تاب، مولانا فخرالدین حلوائی۔ شیخ محمد سماجی۔ شیخ سعید الدین، شیخ محمود بہاری۔ مولانا برہان الدین۔ شیخ حسین۔ شیخ فیروز، شاہ خضر قلندر۔ شیخ نجم الدین قلندر، بابا بجری دریا۔ اور سلطان نصیرالدین غازی رحمۃ اللہ علیہ۔

ابھی ہم حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ شریف کے وسیع و عریض احاطہ میں زیارت قبور کر رہے ہیں یہاں قریب ہی قطب صاحب موصوف کے

استاد حضرت قاضی حمید الدین محمد ناگوری مدفون ہیں۔ آپ کی قبر کا تعویذ سنگِ مرمر کا ہے اور مرقد کے اوپر مسقف سہ دری بنائی گئی ہے قاضی محمد جب مدینہ منورہ میں مقیم تھے تو انہیں سرکار مدینہ سرورِ دو عالم کی عالی جناب سے حمید الدین کا خطاب عنایت ہوا تھا۔ چنانچہ اسی سے معنون ہو کر معروف ہوئے بخارا کی قضات اور حکومت قاضی صاحب کی کئی پشتوں میں رہی آپ کے والد گرامی سلطان عطاء اللہ محمود جن کا شجرۂ نسب حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ تک منتہی ہوتا ہے نے اپنے بڑھاپے میں قاضی حمید الدین صاحب کو حکومت کی باگ ڈور سپرد کی قاضی حمید الدین اس وقت ۲۵ برس کے تھے۔ قاضی حمید الدین بڑے جیّد عالم اور نکتہ رس فقیہہ تھے۔

آپ کو حکومت کرتے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اچانک آپ کی زوجہ محترمہ بی بی ماہرو صاحبہ فوت ہو گئیں اس صدمے سے آپ کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا۔ سیر و سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے کرمان پہنچے تو خواجہ ابو بکر کرمانی نے آپ کو اپنی دامادی میں لے لیا۔ آپ کی یہ دوسری زوجہ بی بی حمیرا بھی بڑی نیک دل اور پارسا خاتون تھیں۔ قاضی حمید الدین نے بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کی اور اس کے بعد فریضۂ حج ادا کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گئے۔ جہاں آپ کا قیام چودہ ماہ اور سات یوم رہا کرمان جا کر اپنے والد بزرگوار اور اہل و عیال کو ساتھ لے کر پشاور پہنچ گئے۔ جہاں پر ان دنوں حضرت خواجہ معین الدین چشتی بھی قیام فرما تھے۔ آپ نے اپنے سب گھر والوں کو پشاور رہنے دیا اور خود خواجہ غریب نواز کے ہمراہ ہندوستان آ گئے خواجہ صاحب کی اجازت سے ۵۶۱ھ میں ناگور چلے گئے جہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد پھر سفر پر روانہ ہو گئے آپ اوش پہنچے تو وہاں قطب الدین بختیار کاکی صاحب سے ملاقات ہوئی آپ نے انہیں اپنی شاگردی میں لے لیا۔ اپنے سفر کے اختتام پر آپ دہلی میں مقیم ہو گئے اسی شہر میں آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا۔

حضرت حمید الدین کی تقرری بعہد سلطان التمش بطور قاضی ناگور ہوئی کہ

کہ جس منصب کو آپ نے کچھ عرصہ کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ قاضی حمید الدین ناگوری کی تاریخ وفات مورخہ ۹ رماہ رمضان المبارک ۶۴۳ھ ہے۔

احاطہ قطب صاحب میں مساجد وقبور

یہاں ایک چھوٹی مسجد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی تعمیر کردہ ہے۔ دوسری مسجد قطب مسجد ہے جو قطب صاحب کی درگاہ کی جالیوں کے قریب ہے اس مسجد کے تین درجے ہیں۔ پہلا دو مہرابوں والا درجہ جو ابتدا میں کچی مٹی سے بنا تھا۔ جسے خود حضرت قطب صاحب اور دیگر اولیاء نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا۔ اس کچے درجہ سے آگے ایک پختہ درجہ کی عمارت ۹۵۸ھ میں بمعہ چہار دیواری درگاہ شریف کے "اسلام شاہ سوری بادشاہ نے بنائی تھی۔ مسجد قطب صاحب کا تیسرا درجہ مغل بادشاہ فرخ سیر نے ۱۷۱۷ء/۱۱۳۰ھ میں تعمیر کرایا تھا جس پر یہ کتبہ کندہ شدہ ہے۔

مورد لطف وعنایات شہ والا جناب — خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب
ساخت از روئے ارادت وز رسوخ اعتقاد — مسجد زیبا بنا و سجدہ گاہ شیخ و شباب
باسروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد — سال تاریخ بنائش "بیت ربی مستجاب"

۱۱۳۰ھ

شیخ نظام الدین ابوالموئید ؒ المتوفی ۶۷۲ھ جو قطب صاحب کے ہمعصر تھے اور ولی کامل تھے" کی قبر شریف احاطہ درگاہ میں ہے۔ نیز ان کی والدہ محترمہ بی بی سارہ صاحبہ ؒ کی قبر بھی یہیں ہے۔ مشہور ہے کہ جب بارش نہ ہوتی ہو یعنی امساک باراں ہو تو بی بی سارہؒ کی قبر کو غسل دے کر نیاز تقسیم کرنے کی دیر ہوتی ہے کہ نزول باران رحمت ہو جاتا ہے۔

صحن مسجد قطب صاحب کے قریب ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس میں دو زنانہ قبریں موجود ہیں ایک حضرت قطب صاحب کی اہلیہ محترمہ کی اور دوسری بی بی جنس صاحبہ کی۔ بی بی جنس صاحبہ قطب صاحب کی دایہ تھیں۔

ذرا آگے جائیں تو ایک وسیع احاطے میں بارہ قبریں سنگِ مرمر کی ہیں جن میں بادشاہ فرخ سیر کی اولاد محوِ خواب ہے۔

موتی مسجد

موتی مسجد کی عمارت شہنشاہ عالمگیر کے بیٹے محمد معظم شاہ عالم اول نے ۱۱۲۱ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ تمام مسجد عمدہ سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے مسجد کے صحن میں سنگِ مرمر کے مستطیلے ہیں جن پر کالے پتھر (سنگ موسیٰ) کا حاشیہ لگا ہوا ہے۔ بے حد خوب صورت عمارت ہے۔ لیکن یہ مسجد زیادہ تر غیر آباد رہتی ہے کبھی کبھار کوئی صاحب دل زائر کسی نماز کا وقت ہو تو یہاں آکر سجدہ دے لیتا ہے۔

بعض شاہان دہلی کی قبریں

موتی مسجد کی جنوبی دیوار کی جانب سیڑھیاں چڑھ کر ایک دروازے سے گزرتے ہیں جو ایک احاطے میں کھلتا ہے۔ اس کے شمال میں جو چار دیواری والا کھلا صحن ہے۔ اس میں جہاندار شاہ بادشاہ دہلی کی اولاد کی اور بعض بیگمات خاندان تیموریہ کی قبریں ہیں۔ یہاں شاہ عالم بہادر شاہ کا مجر (تعمیر شدہ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء) ہے جسے جہاندار شاہ نے بنوایا تھا اور جس کے گرداگرد سنگِ مرمر کی خوب صورت جالیاں اب تک موجود ہیں۔ اس قطعہ زمین میں شاہ عالم ثانی (المتوفی ۱۸۰۲ء) کی قبر ہے۔ دوسری قبر بادشاہ محمد اکبر شاہ ثانی (المتوفی ۱۸۳۷ء) کی ہے۔ شاہ عالم بہادر شاہ ابن اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی قبر پہ پاکستانی زائر کا دل فاتحہ کے لئے فوراً مائل ہو جاتا ہے۔ اس حکمران نے سکھوں اور مرہٹوں کا بخوبی استیصال کیا تھا۔ قبر پہ یہ شعر کندہ ہے۔

در خور نیت بامر مصطفےٰ ﷺ — شاہ عالم را الہٰ جنت جزا

اسی احاطے میں ایک قبر بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار کے صاحبزادہ مرزا

نخزدکی ہے جو بمرض ہیضہ فوت ہوگیا تھا۔
زنانہ قبروں پر کتبے نہیں ہیں۔ ایک قبر جو شاہ آبادی بیگم (مغل شہزادی) کی ہے جس کا سن وفات ۱۲۶۲ھ ہے۔ کی قبر پر کتبہ کندہ ہے جو اسطرح سے ہے۔

شہ آبادی آں ماہ زہرہ جبین — کہ شد از قضا منزلش زیر خاک
بجستم تاریخ ہاتف بگفت — خرامید در عدن باجانِ پاک

احاطہ قطب صاحب کے باہر شیخ سلیمان دہلوی المتوفی ۹۴۴ھ کا مقبرہ ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں کی ویران مسجد اور حویلی کی عمارات ہیں جن پر غیر مسلم قابض و متصرف ہیں۔ یہی حال مولانا مجدالدین صاحب (المتوفی ۷۴۰ھ) کے مزار اور مسجد کا ہے۔ صرف آثار ہی رہ گئے ہیں۔

اولیاء مسجد

مشہور ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے دوسرے اولیاء اللہ کی معیت میں خود مٹی کی ٹوکریاں سروں پر ڈھو ڈھو کر اس مسجد کو تعمیر کیا۔ اسی وجہ سے اس مسجد کا نام اولیاء مسجد پڑ گیا۔
بعد میں یہ مسجد لوگوں نے پختہ بنادی۔ اس مسجد کے صحن میں تین مصلّے بنے ہوئے ہیں۔ کہ جو ان جگہوں پر بنائے گئے ہیں۔ جہاں خواجہ غریب نواز خواجہ قطب الدین اور بابا فرید گنج شکر نے چلّہ کشی کی تھی۔ اکثر بزرگان دین نے اس مسجد میں نماز پڑھی اور چلّہ کشی کی ہے۔ ذاکرین پاکستان میں مولانا سعید نقشبندی خطیب مسجد حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری کو یہاں نماز پڑھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ جو اللہ تعالےٰ پورا فرمایا۔
اسی کے مضافات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا مزار ہے۔ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم قرآن و حدیث تھے اور تفسیر قرآن اور ترویج حدیث کا سلسلہ آپکا عظیم کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی شہنشاہ اکبر اور جہانگیر بادشاہ کے ہمعصر تھے۔

جو معروف اہل قبور خواجہ قطب صاحب کے احاطہ درگاہ میں آسودہ ہیں ان میں سے چند ایک کا مختصر تذکرہ ہم یہاں کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ بعض چشتی دوستوں کا اصرار ہے۔

شیخ معز الدین دہلوی

یہ حضرت پہلے نائب السلطنت کے عہدہ پر فائز تھے۔ لیکن قطب صاحب کے مرید ہو کر فقر و فاقہ اختیار کیا۔ بڑے عابد شخص تھے۔ قطب صاحب نے انہیں خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا تھا۔

قبور مولانا سعدؒ اور قاضی عمادؒ

یہ دونوں بزرگ علمائے دہلی سے تھے۔ سماع کی وجہ سے ان حضرات کو حضرت قطب صاحب سے پرخاش رہتی تھی۔ لیکن ایک مجلس میں ان کے قلوب پر ایسی ضرب لگی کہ تائب ہو کر قطب صاحب کی مریدی اختیار کی اور حسب وصیت قطب صاحب کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت خواجہ محمود موئینہ دوز (المتوفی ۶۵۵ھ)

آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے اور بڑے مستجاب الدعوات تھے کوئی شخص بھاگ جاتا اس کے لئے دعا فرماتے تو وہ مل جاتا تھا جس گھر میں کوئی بچہ غبی ہوتا تھا وہ آپ کی قبر سے پتھر لے جا کر رکھ لیتے اور جب کند ذہن بچہ ٹھیک ہو جاتا تو اس پتھر کے برابر شرینی تول کر بچوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا بدر الدین غزنوی (المتوفی ۶۵۷ھ)

آپ دلی کے بائیس خواجگان میں سے ایک ہیں۔ غزنی میں پیدا ہوئے۔ عین نوجوانی میں لاہور مراجعت کی یہاں درس و تدریس کا سلسلہ بھی رکھا۔ لاہور سے دہلی گئے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید ہوئے۔ سماع بہت پسند کرتے تھے۔ جوار قطب صاحب میں دفن ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا اس بڑھاپے اور ناطاقتی کے باوجود سماع کے دوران آپ میں اس قدر جوش اور قوت رقص کہاں سے آجاتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ قوت عشق کی ہے۔

محترمہ دایہ قطب صاحب بی بی من میلؒ

اس نیک سرشت خاتون نے حضرت قطب صاحب کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ فیصاوش کے ایک معزز خاندان کی فرد تھیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب دہلی میں مستقلاً مقیم ہوئے تو ان محترمہ کو اپنے وطن یعنی اوش سے بلوالیا۔ یہ حضرت قطب صاحب کی مرید ہو کر خلافت یافتہ ہوئیں۔ عورتوں میں تبلیغ اسلام کا بہت کام کیا۔ حضرت قطب صاحب کے امور خانہ کا انتظام بی بی صاحبہ کے سپرد تھا۔ یہ کبھی مردانہ میں نہیں آئیں۔ خواجہ صاحب کے گھر سے جنازہ ہی نکلا۔ قبر بی بی من میل صاحبہ کی پرانی مسجد کے مشرقی دروازہ کے قریب ہے۔

حضرت شیخ احمد رئیسؒ

خواجہ قطب صاحب کے رضاعی بھائی تھے۔ اور ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ان کی قبر درگاہ قطب صاحب میں شیخ جلال الدین ایلؒ کے پائین میں ہے لکھا ہے کہ احمد رئیس ہر شب کو مجلس رسول مقبولؐ میں حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ مجلس محمدی میں تھے کہ نبی کریمؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ شیخ قطب الدین کو ہمارا اسلام کہہ کر ظاہر کرنا کہ تین روز سے ان کا تحفہ نہیں آیا۔ غفلت نہ

چاہیئے جب یہ بیدار ہوئے تو پچھلی رات کا ماجرا قطب صاحب سے عرض کیا وہ آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ میں حضور سے شرمندہ ہوں۔ اب کبھی ناغہ نہ ہو گا۔

حضرت شیخ امام الدین ابدالؒ

آپ محترمہ دایہ بی بی مُن میلؒ صاحبہ کے فرزند تھے یعنی خواجہ قطب صاحب کے رضاعی بھائی۔ کافی عرصہ اوش میں اولیائے کرام کی صحبت میں گزارا اور اس کے بعد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ہم صحبت رہے۔ حضرت شیخ امام الدین جناب شیخ ضیاءالدین مرد غیب کے خالہ زاد بھائی تھے امام الدین ابدال بہت عالم فاضل شخص تھے اور آپ نے بہت سے ممالک اسلامی کی سیر و سیاحت کی حج سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ کے متعلق کتب میں لکھا ہے کہ جس شخص کی طرف تیز نگاہ کرتے وہ ولی اللہ ہو جاتا تھا، دہلی آکر قطب صاحب سے بیعت کرنا چاہتے تھے لیکن قطب صاحب نے مولانا بدرالدین صاحب کا مرید کرایا۔ شیخ امام الدین ابدال اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مابین بڑی دوستی تھی ان کی خانقاہ میں جب مجلس سماع ہوا کرتی آپ کو بطور خاص شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ عبادت الٰہی اور سماع کا بے حد شوق و ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۷۰۰ ہجری میں ہوئی درگاہ قطب صاحب میں مولانا بدرالدین کی قبر کے قریب ہی آپکا مدفن ہے

حضرت شیخ داناؒ

آپ حضرت قطب صاحب کے مرید تھے۔ اور ان کے مقبولِ نظر تھے۔ ان کا مدفن خواجہ قطب صاحب کی مسجد کے پیچھے واقع ہے۔ شیخ حسن دانا کے والد عہدہ قضات پر مامور تھے ان کے فوت ہو جانے کے بعد بادشاہ نے حسن صاحب کو قاضی مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا وہ دیوانہ ہیں۔ اس لئے اس عہدہ کے اہل نہیں حضرت قطب صاحب کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ حسن دیوانہ نہیں دانا ہے۔

اسی دن سے حسن دانا مشہور ہوئے۔

قبورِ سیّد امجد صاحب اور سیّد زین الدّین

ان دونوں بزرگوں کی قبریں شیخ عبدالحق محدث کے روضے کے قریب ہیں۔ کشف ارواح اور کشف قبور میں بہت معروف تھے۔ ہر دو بزرگوں میں بڑی محبت و مودت تھی۔ اور خواجہ قطب صاحب سے بڑا اعتقاد رکھتے تھے۔ نقل ہے کہ ایک دن سید امجد صاحب دریا پر گئے نہار ہے تھے کہ نہر کے بہاؤ سے قدم اکھڑے اور قریب تھا کہ ڈوب جاتے کہ اسی اثنا میں قریب سے ایک مرد نے سر نکالا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کنارے تک پہنچا دیا۔ سید امجد صاحب کو کشفاً معلوم ہوا کہ وہ حضرت قطب صاحب تھے۔ اس روز کے بعد آستانہ" قطب صاحب پر آکے مقیم ہوئے کہ پھر باہر قدم نہ رکھا۔

حضرت عاشق خدا شیخ شہاب الدّین دہلوی رح

اگرچہ آپ کی قبر پرانی عیدگاہ (مہرولی) کے عقب میں واقع ہے تاہم قطب صاحب کی بستی کے ہی متعلقہ علاقہ میں ہے۔ یہاں حضرت شمس الدین بجنازہ بران کا بھی مزار ہے شیخ شہاب الدین کے والد حضرت امام الدین تھے جن کے آپ مرید اور خلیفہ تھے آپ نے مولانا بدرالدین غزنوی سے بھی روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ محبت الٰہی اور عشق حقیقی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے تھے۔ اس لئے عوام الناس میں عاشق خدا مشہور ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے والد محترم کے عرس کے موقعہ پر کھانا پکوایا خدام نے عرض کیا کہ مخلوق خدا کثیر ہے اور کھانا بہت کم پکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کھانے کو ڈھانک کر بسم اللہ کہہ کر تقسیم کرنا شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور کھانا تمام حاضرین میں تقسیم ہو جانے کے بعد بھی کافی بچ رہا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

حضرت موصوف کے اجداد بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں آباد ہوئے تھے آپ کے جد اعلیٰ آقا محمد صاحب سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں دہلی وارد ہوئے اور یہیں مقیم ہو گئے وہ چونکہ فنون حرب وسپاہ گری میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اس لئے سلطان نے انہیں علاقہ جات صوبہ گجرات اور نباور کی مہمات پر لشکر شاہی کے ساتھ بھیجا تھا۔ آقا محمد اور ان کی اولاد کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں، شیخ عبدالحق صاحب کے والد محترم کا نام شیخ سیف الدین تھا جن کی وفات ۹۹۰ ہجری میں ہوئی۔ جناب شیخ عبدالحق کی ولادت باسعادت ماہ محرم ۹۵۸ ہجری میں ہوئی، اور ان دنوں دہلی کے تخت پر سلیم شاہ سوری جلوہ فگن تھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث بچپن سے ہی بڑے طباع اور ذہین تھے۔ حافظ قرآن تھے آپ نے علم حدیث اور تفسیر کلام پاک کی تحصیل و تکمیل حضرت قاضی عنایت سے کی۔ روحانی فیض آپ نے حضرت موسیٰ پاک شہید (المتوفی ۱۰۰۱ھ مدفن پاک گیٹ ملتان) سے حاصل کیا کہ جن کے آپ مرید اور خلیفہ تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی عالم باعمل اور شیخ بے مثال تھے۔ زہد و ریاضت میں یکتا تھے۔ آپ کو جناب غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے نہایت اعتقاد تھا اسی بنا پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت بھی ہوئے شریعت وطریقت میں آپ مقتدائے زمانہ تسلیم کئے گئے۔ اور خواص وعوام میں مقبول تھے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج میں آپ کا بڑا حصہ تھا۔ شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کو شیخ عبدالحق صاحب سے بڑی عقیدت تھی اور وہ حضرت کا بہت احترام کرتا تھا۔ اور شیخ صاحب من جانب فقراء وغرباء وعلماء جو بات جہانگیر بادشاہ

سے کہتے اسی طرح بادشاہ عمل میں لایا کرتا، کسی کے لئے اگر نقد یا جاگیر یا ملازمت کا کہتے تو بھی جہانگیر مرحمت کرنے میں تاخیر نہ کرتا تھا۔ بعض مفسدہ پردازوں نے حضرت شیخ عبدالحق محدث اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے مابین غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں لیکن آخر کار دونوں بزرگوں میں صفائی ہوئی اور بہت اخلاص بڑھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث کی وفات مورخہ ۲۱، ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں بعہد شاہ جہان بادشاہ ہوئی آپ کا مقبرہ نواب مہابت خاں سپہ سالار افواج شاہجہانی نے آپ کی حیات میں بنوایا کیونکہ مہابت خاں کو حضرت شیخ سے بہت اعتقاد تھا (یاد رہے کہ مہابت خاں کی بنوائی ہوئی ایک مسجد پشاور میں بھی ہے) جب حضرت شیخ کو اطلاع دی گئی کہ مقبرہ تیار ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم بھی تیار ہیں۔ لیکن اس واقعہ کے برعکس سرسید احمد خان مرحوم نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ مقبرے کی عمارت شیخ الاسلام نے تعمیر کرائی تھی۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نواب مہابت خان نے یہ خدمت شیخ الاسلام کے زیر انصرام و انتظام کروائی ہو آپ کی تصانیف کی تعداد یک صد بتائی جاتی ہے "تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد و بحسب شمار ابیات به پانصد ہزار رسیدہ است" آپ کی تصنیف کردہ مشہور کتب میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

شرح مشکوٰۃ (عربی اور فارسی زبانوں میں)
صراط المستقیم۔
اخبار الاخیار (مستند تذکرہ اولیائے کرام) اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے
شرح فتوح الغیب۔
جذب القلوب الی دیار المحبوب (مدینہ منورہ کے مفصل حالات)
روضات وغیرہ وغیرہ۔

آج کل حضرت موصوف کی قبر شریف پر اکا دکا کوئی زائر فاتحہ خوانی کے لئے چلا جاتا ہے۔ قبل آزادی یہاں کافی رونق ہوا کرتی تھی۔ پاکستانی زائر یہاں اکثر حاضری دیتے ہیں۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی رح کے خاندان کی لڑی ماشاء اللہ اب

تک موجود ہے۔ شہر لاہور میں جناب یمین الحق حقی صاحب حضرت کے عرس کا انعقاد ہر سال ماڈل ٹاؤن میں کراتے ہیں ان کے دوسرے برادر جناب شان الحق حقی صاحب کراچی میں مقیم ہیں اور طویل عرصہ سے سرکاری ملازمت سے منسلک رہے ہیں

بھلا سکتا نہیں دہلی تجھے مسلم قیامت تک
کہ تیرے ذرے ذرے میں ہے خوابیدہ لہو اس کا

مسجد قوت الاسلام، قطب صاحب کی درگاہ، حوض شمسی غرضیکہ یہ دس بارہ کلو میٹر پر پھیلا ہوا رقبہ تاریخی معرکوں کا مخزن، جہانبانی کا قدیم مرکز اور ادوار گزشتہ کی سیاست کا معدن ہے یہ وہ سرزمین بے نظیر ہے کہ جس کے چپہ چپہ پر مقدس ہستیوں اور شجاع مسلمانوں کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں۔ تقریباً چھ صدیوں تک اس جگہ نے اولیائے عظام، مشائخ کرام، بزرگان اسلام، عمائدین سلطنت اسلامی! روزگار مشاہیر ادباء، شعراء صوفیا اور دیگر اکابر کو اپنے اندر سمویا۔

ذرے ذرے میں ہیں پوشیدہ یہاں گوہر خاص
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز!

حضرت شیخ عبدالحق محدث کے مقبرے کے قریب ہی مشہور تاریخی اور مقدس شمسی تالاب ہے جسے سلطان شمس الدین التمش نے ۱۲۲۹ء میں تعمیر کرایا تھا اور اسی کے نام کی نسبت سے شمسی تالاب مشہور ہوا۔ روایت ہے کہ ایک شب خواب میں بیک وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سلطان التمش نے بالکل اسی جگہ پر (جہاں حوض بنایا گیا) جناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی التمش نے خواجہ قطب صاحب سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں حوض بنا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اب تو حوض تقریباً برباد ہو چکا ہے۔ اس کے ارد گرد بہت سے مزارات ہیں جن میں مدفون اصحاب کا اب کچھ اتہ پتہ نہیں چلتا۔ صرف چند ایک قبور کی صحیح نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

اے اجل گرتن بے جان تیرہ خاکسپری   نتوانی کہ نکو نامیئش از یاد بری!

۱۔ حضرت مولانا شیخ وجیہہ الدین پائلی (خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی)
۲۔ شیخ زین العابدین عرف شیخ ادھن المتوفی ۹۳۴ھ (مرید حضرت مولانا سماء الدین)

۳۔ حضرت سید احمد کبیرؒ (اوچ شریف) کی اولاد سے چالیس ابدال کی قبریں (جو چہل تن چہل من کے نام سے معروف ہیں)

۴۔ حضرت مولانا سماء الدین کی قبر شریف (جو حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری اوچ شریف کے پوتے تھے۔)

حضرت شیخ سماء الدین سہروردی

آپ کی ولادت بمقام ملتان (پاکستان) سنہ ۸ھ میں ہوئی آپ کے والد صاحب شیخ فریدالدین سہروردی تھے اور حضرت صدرالدین راجو قتال کے مرید تھے۔ شیخ سماء الدین حضرت مخدوم جہانیاں (اوچ شریف) کے نبیرہ تھے۔ شیخ سماء الدین کا سلسلۂ نسب واسطوں سے حضرت رسول مقبولؐ کے اصحابی حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت مصعب تک پہنچتا ہے۔ آپ کی پہلی بیعت سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں اپنے والد شیخ فریدالدین صاحب سے تھی۔ دوسری بیعت کے بعد خرقۂ خلافت سید کبیرالدین اسماعیل المعروف شیخ کبیرؒ سے حاصل کیا۔ شیخ کبیرؒ سے بیعت کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ لیکن شیخ کبیرؒ نے کچھ تامل فرمایا۔ شیخ سماء الدین نے یہ شعر پڑھا۔

کم نہ گردد تابشِ خورشید اگر در بدخشاں لعل سازد سنگ را

اس پر شیخ کبیرؒ ہنس دیئے اور فرمایا کہ میاں ہم اپنے بھائی یعنی شیخ فضل اللہ صاحب سے تمہیں خرقہ دلا دیں گے۔ لیکن سماء الدین برابر اصرار کرتے رہے۔ کافی عرصہ تو سید کبیرالدین اسماعیل شیخ اُن کی بار بار کی عرض گزاری کو ٹالتے رہے۔ لیکن سماء الدین نے بپایاں کار نہایت عاجزی سے یوں عرض کیا کہ حضور بنائے ارادت اور معاملہ پیری مریدی کا تعلق؛ قلب سے ہے اور یں ناچیز اس رابطہ کو جناب کے ساتھ مستحکم اور مستقیم پاتا ہوں۔

گر لطف کنی در کنی در نگذارم — من در تو گرفتم، دگر جائے نہ دارم

شیخ کبیر کا دل پسیج گیا، سماء الدین کے بغل گیر ہوئے اور اپنا مرید کرنے کے بعد دوگانہ ادا کرایا اور پھر خرقہ خاص عطا کیا۔

سلطان بہلول لودھی کو حضرت شیخ سماء الدین سے بہت اعتقاد تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا پسر نظام خاں (جس نے حکومت سنبھالنے کے بعد سلطان سکندر لودھی کا لقب اختیار کیا تھا) بھی حضرت موصوف سے بہت ارادت رکھتا تھا نقل ہے کہ دہلی سے روانگی سے قبل وہ حضرت کی خدمت میں آیا اور معروض ہوا کہ وہ جناب شیخ سے "میزان الصرف" پڑھنا چاہتا ہے اس نے سبق کے بہانے سے استعدک اللہ فی الدارین، کے معنی حضرت سماء الدین سے پوچھے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں نیک بخت کرے" نظام خاں (سکندر لودھی) نے عرض کیا کہ معنی پھر ارشاد فرمائیں اور اس کے بعد اسی طرح عرض کیا۔ گویا اس طرح تین مرتبہ حضرت سے کہلوایا کہ "تجھے اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں نیک بخت کرے" نظام خاں نے آپ کے ہاتھ چومے اور عاجزی سے معروض ہوا کہ میری مراد حاصل ہو گئی۔ میں یہی چاہتا تھا کہ یہ کلمات آپ کی زبان مبارک سے نکلیں، حضرت صاحب کو اس کا یہ حسن ادب پسند آیا۔

آپ سے متعلق ایک اور مشہور واقعہ ہے اور وہ یہ کہ سلطان بہلول لودھی کے فرمان نویس شہاب الدین خاں کا بیٹا شیخ محمد بری صحبت میں مبتلا ہو گیا اور ایک دن حضرت سماء الدین کی مجلس میں آگھسا تو خدام درگاہ نے اُسے دھکے مار کر نکالنے کا جتن کیا کہ اُس پاک آستانہ میں اُس جیسے بُرے آدمی کی جگہ کہاں ہو سکتی تھی جب اس بات کی خبر حضرت کو ہوئی تو آپ نے کہا کہ شیخ محمد کو آجانے دو اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھا۔

طالب دیدار چہ ہشیار چہ مست — ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

یہ سنتے ہی شیخ محمد کو خجالت ہوئی اور صدق دل سے تائب ہو کر آپ کا مرید ہوا اور اس کے بعد اس نے کوئی فعل یا عمل خلاف شریعت نہیں کیا۔

حضرت مولانا شیخ اسحاق دہلوی، حضرت سماء الدین سہروردیؒ کے بڑے بھائی

تھے۔ اُن سے روایت ہے کہ حضرت سماء الدین صاحب نے بارہ برس کی عمر سے کبھی نماز تہجد قضا نہیں کی۔ انہوں نے ایک ستارے کا اندازہ کر رکھا تھا۔ رات کے وقت حجرے کے روشندان سے اس ستارے کو شوقِ تہجد میں دیکھا کرتے تھے۔

حضرت شیخ سماء الدین سہروردی علوم ظاہری و باطنی میں جامع تھے۔ اور نہایت ہی متوکل اور متقی بزرگ تھے آپ کی علمی یادگاروں میں مفتاح الاسرار اور حاشیہ لمعات فخر الدین عراقی مشہور ہیں۔ حضرت سماء الدین کے دو بیٹے تھے۔ ایک شیخ عبداللہ بیابانی اور دوسرے حضرت شیخ نصیر الدین سہروردی جو آپ کے جانشین بنے۔ حضرت سماء الدین کی وفات ۱۷ جمادی الاول ۹۰۱ھ کو ہوئی آپ کی قبر شریف حوض شمسی کے پاس ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے

درگاہ مولانا جمالی اور کمالی

شیخ فضل اللہ صاحب عرف جلال خاں بڑے گرامی شاعر، عالم باعمل اور بڑے سیّاح تھے۔ شاعری کی جملہ اصناف پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ اور اپنے کلام بلاغت نظام کی بدولت شاہی دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ آپ نے چار بادشاہوں یعنی سکندر لودھی۔ ابراہیم لودھی۔ ظہیر الدین بابر اور نصیر الدین ہمایوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ اپنے زمانہ کے اولیائے کاملین میں سے تھے۔ مذہبی علوم پر مباحثہ اور مناظرہ میں آپ کا کوئی ہمعصر آپ کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی آپ کے علم و فضل کا شہرہ تھا۔

شیخ فضل اللہ عرف جلال خاں جمالی کے نام نامی سے ہی مشہور تھے۔ آپ پہلے جلالی تخلص کیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں جمالی کرنے لگے تھے۔ آپ نے ایک مسجد اور درگاہ کی عمارت اپنی عین حیات میں ۹۳۵ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ دونوں پاک جگہیں اب ویران ہیں۔ کوئی بھولا بھٹکا سیّاح مہرولی کے کھنڈرات کی سیر کرتا ہوا یہاں بھی آنکلتا ہے۔ مسلمان ہو تو اہل قبور کے لئے فاتحہ کہہ دیتا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے ۔ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے۔

مولانا جمالی ۹۴۲ھ میں بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کے ہمراہ گجرات (مغربی ہند) تشریف لے گئے۔ جہاں دس ذیقعد کو ان کا انتقال ہو گیا۔ نعش دہلی لائی اور آپ کے حجرہ میں دفن کی گئی۔ آپ کی تاریخ وفات یعنی ۹۴۲ھ "خسرو ہند بود" سے نکلتی ہے۔

مشہور کتاب سیر العارفین آپ کی تصانیف میں سے ایک ہے۔ تبرکاً ہم یہاں مولانا جمالی کے چند اشعار قارئین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔

مارا ز گرد کوئش پیراہن ست برتن | واں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

قطعہ

اے رحمت تو از غضب بردہ گرد | دے قہر ز لطف تو فرمود برد
جائے کہ شد از خرمن عفو تو سخن | آں جا گنہ خلق نہ سنجید بجو

غزل

اگر بہ کفر کشد سر سیاہ کاری ما | بود بہ عفو تو چشم امیدواری ما
بہ آستان تو شرمندۂ سگان توام | کہ شب قرار ندارد بآہ و زاری ما
اگر بہ پردۂ راز سے تو محرمی یابیم | فقر بفخر نماید بہ پردہ داری ما
بخاک کوئے تو در چشم مرداں خواریم | بر نزد اہل نظر عزت است خواری ما
زاہر لطف تو شد ناپدید گرد گناہ | ولیک شستہ نگردد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو در بیکسی و تنہائی | بجز غمت نرسد کس بہ غمگساری ما
جمالیا بہ در یار التجائی آر | کہ ہست بردر دلدار رستگاری ما

اسی ذیل کی دوسری غزل بھی سن لیجئے نذر کرتا ہے

ز حد گزشت بعشق تو بے قراری ما | امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمال عفو تو کے آمدے بروں ز نقاب | اگر نہ بود ئے نمود سے گناہ گاری ما
اگر چہ در خود قہریم از گناہ گاری | بود بہ لطف تو چشم امیدواری ما

به عزت جبروت و به حرمت ملکوت — دهیم کرم به فرازی بر خاک روئ ما
زیک ترشح ابر کرم فرد شوئ — غبار جرم ز رخسار شرمساری ما
نظر به سوئے جمالی فگن ز روئے عطا — مبیں به جانب سستی و خام کاری ما

مولانا جمالی صاحب کے بھائی مولانا کمالی تھے۔جن کا مرقد آپ کی قبر کے داہنی جانب ہے۔ہم نے مہرولی اور درگاہ قطب صاحب کے علاقے کی آپ کو کافی سیر کرا دی ہے۔ چلئے اب بستی چراغ دہلی چلتے ہیں۔ ہاں ایک خاص بات کا ذکر تو رہ ہی چلا تھا وہ بھی سن لیجئے۔سکھوں کا قدیم سے دستور ہے کہ اہل اسلام کی معروف خانقاہوں مقبروں یا مساجد کی عین جڑ میں ہیرا پھیری سے کوئی جگہ (کسی فرضی داستان کی بنا پر) گھیر لیتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں اپنا گردوارہ یا دھرم استھان تعمیر کر ڈالتے ہیں۔لاہور میں شہید گنج، باؤلی صاحب مڑھی رنجیت سنگھ اور سمادھی ارجن دیو اس کی کچھ مثالیں ہیں۔

شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں کے مقبرہ کے عقب میں ایک گردوارہ موسومہ دمدمہ صاحب آج کل زیر تعمیر ہے جس پر تقریباً تیس لاکھ روپیہ اب تک سکھوں کے چندہ سے صرف کیا جا چکا ہے۔وہاں کے ایک گرنتھی نے ہمیں بتلایا کہ تکمیل تک اتنی ہی رقم اور خرچ ہوگی اس گردوارہ کا قبل تقسیم ہند کوئی نام ونشان تک نہ تھا اسی طرح درگاہ قطب صاحب جاتے ہوئے راستہ میں آپ کو ایک گردوارہ دکھائی دے گا جو بندہ بیراگی کے نام سے موسوم ہے ایک فرضی شہیدی استھان اس بدترین ظالم کا تازہ بتازہ بنایا گیا ہے کہ جہاں پہلے مسلمانوں کی قبور تھیں۔چار سال قبل یہاں اس قسم کی کوئی عمارت وغیرہ نہیں تھی۔افسوس صد افسوس کہ مسلمانانِ دہلی پڑے سوتے ہیں۔ان کے اکابر کی آخری آرام گاہیں بے دردی سے مٹائی جا رہی ہیں بیشتر قدیم مساجد ومقابر غیر مسلموں کی رہائش گاہیں بن گئی ہیں۔قبرستان کے قبرستان صاف کیئے جا رہے ہیں جہاں جدید رہائشی اور کمرشل عمارات تعمیر کی جا رہی ہیں۔

سیکولر بھارت میں یہ سلوک غیر مسلموں کے کسی استھانوں سے کب روا ہوا ہے۔
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پہ

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلوی

یہاں پر حاضری کی سعادت اجمیر شریف اور دہلی جانے والے زائرین کو حاصل ہوتی ہے۔ درگاہ شریف کا گنبد سلطان فیروز شاہ نے ۷۴۹ھ میں بنوایا تھا ان دنوں حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی مسند رشد و ہدایت پر جلوہ گر تھے۔ حضرت موصوف کا مقبرہ ایک بڑے احاطے کے اندر ہے۔ اس احاطے کا بڑا حصہ اور بستی کے گرداگرد والی فصیل مغل بادشاہ محمد شاہ نے ۱۱۴۳ہجری میں تعمیر کرائی تھی۔ لیکن درگاہ کا صدر دروازہ ۷۷۵ھ میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے ہی بنوایا تھا۔ درگاہ کے گنبد کے پاس جو مسجد ہے اس سے متعلق مشہور ہے کہ وہ بادشاہ فرخ سیر نے تعمیر کرائی تھی۔

احاطے میں جو بزرگوں کی قبریں ہیں ان کا اور اہل قبور کا تذکرہ تو بعد میں ہوگا پہلے ہم حضرت نصیرالدین محمود چراغ کا ذکر خیر کریں گے۔

آپ کا اسم مبارک تو محمود تھا لیکن اپنے القاب نصیرالدین محمود گنج اور چراغ دہلی کی نسبت سے آپ مشہور خلائق ہوئے۔ محمود گنج کا خطاب آپ کو سرکار محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ دہلوی سے عطا ہوا تھا۔ اور ان کی رحلت کے بعد ولائت دہلی آپ کے نام قرار پائی۔ حضرت نصیرالدین محمود کے دادا سید عبداللطیف صاحب سادات حسنی میں سے تھے۔ انہوں نے علاقہ خراسان سے ہجرت کی اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔

حضرت نصیرالدین محمود کے والد جناب سید یحییٰ شہر لاہور میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں ان کا بچپن گزرا۔ سن شعور میں وہ اودھ منتقل ہو گئے تھے۔ اور وہاں پشمینہ کی تجارت کرنے لگے جو کافی نفع بخش تھی۔ چنانچہ خاندان میں کافی خوشحالی تھی اور بہت سے خدام گھر کا کام کاج کرنے کے لئے ملازم تھے۔ شہر بھر میں سید یحییٰ کی بڑی عزت تھی۔ تذکرہ نگاروں نے حضرت نصیرالدین محمود کو اودھی لکھا ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ آپ بارہ بنکی میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی عمر نو برس

ہوئی تھی کہ یتیم ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی تربیت اور تحصیل علم میں آپ کی والدہ ماجدہ نے بہت کوشش فرمائی۔ آپ نے تعلیم ملا عبدالکریم شیروانی اور حضرت افتخار الدین گیلانی سے حاصل کی۔ فقہ کی مشہور کتاب بزدوی کا حضرت قاضی محی الدین کاشانی نے درس لیا۔

آپ نے عین عالم نوجوانی میں ترک و تجرید اختیار کی۔ ۲۵ سال کی عمر سے لے کر ۳۲ سال کی عمر تک ایک درویش کے ہمراہ بستیوں سے دور بیابان اور جنگلوں میں صحرا نوردی کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے۔ ان دنوں بھی نماز باجماعت ترک نہیں کی۔ روزے بھی رکھتے رہے۔ اکثر سنبھالو درخت کے پتوں سے روزہ افطار کیا کرتے۔ سیر العارفین سے نقل ہے کہ ۴۳ برس کی عمر میں آپ دہلی تشریف لائے اور زیارت اور خدمت حضرت نظام الدین اولیاؒ سے مشرف ہوئے۔ خدمات شائستہ بجالا کر محمود گنج کا خطاب بارگاہ سلطان المشائخ سے پایا۔ بیعت کے بعد مرشد عالی تبار یعنی حضرت نظام الدین اولیاؒ کی ہدایت کے مطابق شیخ نصیر الدینؒ خانقاہ میں ریاضت و مجاہدات میں برابر لگے رہے۔ دس دس روز فاقہ سے گزر جاتے اور جب بھوک کا شدید غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے تھے۔ قارئین کرام کو یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اہل اللہ کے ہاں فقر و فاقہ کی اہمیت اس قدر کیوں تھی ایک تو یہ کہ غار حرا میں کئی کئی روزہ قیام بے طعام حضور پُر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے دوسری یہ کہ اولیاؒ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ سالک راہ حقیقت کے نفس میں نتادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہو بھوک سے جسم کمزور اور دبلا ہو جاتا ہے لیکن قلب کو اس سے روشنی اور جان کو رعنائی حاصل ہوتی ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کو اس عمل سے جو برکات و حسنات میسر آتے ہیں وہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اخلاص، حضرت ادریس علیہ السلام کی عبادت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر اور راضی برضا ہونا حضرت یعقوب علیہ السلام کی قناعت، حضرت یونس علیہ السلام کا مجاہدہ، حضرت شعیب علیہ السلام کا تفکر، حضرت یوسف علیہ السلام کا صدق اور عصمت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد اور حضرت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی محبت جب یہ مقصود حاصل ہوں تو کوئی ولی اللہ ارشاد و ہدایت کی مسند پہ جلوہ افروز ہوا کرتے ہیں۔

ابتداء میں جب حضرت نصیر الدین محمود کی اپنے مُرشد سلطان جی کی رہائش گاہ دریائے جمنا کے کنارے ایک بالاخانہ پر تھی جہاں حضرت مُرشد عبادات میں مشغول رہا کرتے تھے اس جگہ سوائے حضرت نصیر الدین کے اور کوئی دوسرا خادم نہ جاسکتا تھا۔ دونوں بزرگ اسی جگہ عبادات و وظائف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ درویش ملتان سے دہلی آئے اور حضرت سلطان جی کے مہمان ہوئے اور حضرت شیخ بہاء الحق سہروردی ملتانی کے مرید تھے۔ صبح کے وقت ان میں سے ایک درویش دریا پہ نہانے گیا تو کسی "اچکے" نے اس کے کپڑے اُڑا لیئے وہ غریب برہنہ حالت میں شور مچاتا آیا۔ اسے نصیر الدین چراغ نے اپنے کپڑے دے کر عرض کیا کہ بھائی شور نہ کرو۔ سلطان جی کی عبادت میں خلل نہ آجائے۔ یہ معاملہ مرشد نے اپنے نور باطن سے معلوم کر کے نماز چاشت کے بعد نصیر الدین چراغ کو بلا کر نہایت مہربانی سے اپنی پوشاک خاص مرحمت فرمائی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ نے اخبار الاخیار میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ نصیر الدین مرشد کی اجازت سے کبھی کبھار اپنی بڑی بہن سے ملاقات کے لیئے اودھ چلے جایا کرتے تھے۔ اور اپنے دونوں بھانجوں مولانا زین الدین علی اور کمال الدین حامد کو بھی دیکھ آتے تھے۔ ایک بار جب اودھ سے واپس دہلی آئے تو حضرت امیر خسروؒ سے معروض ہوئے کہ حضرت سلطان جی کی خدمت میں سفارش کر دیں کہ جب میں اودھ میں ہوتا ہوں تو خلقت کثیر تعداد میں برابر ملاقات کے لیئے آتی رہتی ہے جس سے عبادات اور اشغال میں بہت خلل واقع ہوتا ہے۔ اگر سلطان جی اجازت دیدیں تو جنگل میں رہ کر عبادت حق میں مشغول رہا کروں۔ مرشد نے ارشاد فرمایا کہ نصیر الدین کو خلق کے درمیان رہنا ہوگا۔ اور لوگوں کے جور وجفا اور زیادتیاں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ہوں گی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت یعنی سید جلال الدین بخاری اُوچی

جب حج کے لئے مکہ شریف گئے تو ایک عرصہ تک وہاں کے شیخ حضرت امام عبداللہ یافعی سے روحانی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک مرتبہ دہلی کا ذکر چھڑا تو شیخ مکہ شریف نے اُن سے کہا کہ دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے۔ تاہم ان کی برکت کا اثر۔ شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے اور وہ چراغ دہلی ہیں کہ مشائخوں کی رسموں کو زندہ کرنے والے اور رواج دینے والے اس طرح حضرت نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی مشہور ہوا۔

حضرت چراغ دہلی سرکار نظام الدین اولیاء کے جانشین مقرر ہوئے اور انہیں خرقہ خواجگان۔ عصا۔ کاسہ اور نعلین عطا ہوئیں کہ جو آپ کے ساتھ حسب وصیت دفن کی گئیں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا بے جا نہ ہو گا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی ہمشیرہ محترمہ کی اولاد کو بطور ترکہ ملا۔ اس لئے چراغ دہلی نے وہاں سے سکونت ترک کر کے اپنی قیام گاہ اس جگہ بنائی جہاں اب ان کا مزار مبارک ہے۔

اقوال

۱۔ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ ہمیں خداوند عالم دیکھتا ہے۔ خدا کے واسطے کھائے اور نیت یہ کرے کہ اس کھانے سے جو قوت پیدا ہوگی وہ اللہ پاک کی اطاعت اور بندگی پر صرف ہوگی تو ایسا شخص عین عبادت و نماز میں ہو گا

۲۔ کاشتکار کو چاہیئے کہ کھیت میں بیج ڈالتے وقت دل شاکر اور زبان کو ذکر الٰہی میں مصروف کرے۔

۳۔ دوسروں کو کلام مجید پڑھانا بہت اچھا کام ہے لیکن پڑھانے والے کو چاہیئے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔

۴۔ ہمیشہ تحمل سے کام لینا چاہیے اور اگر کوئی جفا کرے بھی تو اُسے معاف کر دینا چاہیئے۔

۵۔ قرآن وحدیث کے احکامات پر عمل نہ کرنے سے ہی مسلمان خراب و پریشان ہوں گے۔

۶۔ کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے۔

۷۔ اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم شریعت میں رہے اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا تو پھر کہاں کا رہے گا۔ اور نجات کی کیا صورت ہوگی۔

۸۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ہماری ساری تعلیم کا خلاصہ اس شعر میں ہے۔

صحتِ نفس و قوتِ یک روزہ　　　بہتر از تاج و تخت فیروزہ۔

۹۔ خَلَقَ اللّٰہُ آدمَ عَلٰی صورتہٖ کے معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ کیونکہ خداوند قدوس شکل و صورت سے پاک اور بلند ہے۔ اصل معنی یہ ہیں کہ آدم کو جس قد و قامت صورت و ہیئت کے ساتھ پیدا کر دیا وہ اسی شکل پر ہے۔ کچھ تغیر نہیں ہوا سوائے اس صورت کے پہلے آدمی بچہ۔ پھر جوان اور پھر بوڑھا ہوتا ہے اور "آدم اوپر ایک صورت کے رہے۔ کچھ تغیر و تبدل نہ ہوا"

۱۰۔ ایمان کا غم کھانا چاہیئے۔ کرامت کے درپئے نہ ہونا چاہیئے۔ حیران ہوں کہ خلق بے مشاہدہ کیوں کر جیتی ہے۔

سماع

حضرت نصیر الدین محمود چراغ کو سماع کا شوق تھا۔ اکثر وجد آجاتا تھا۔ بعض پہروں تک رہتا۔ لیکن اس حالت ذوق میں بھی کبھی نماز باجماعت قضا نہ کرتے تھے ایک بار اس شعر پر آپ پر حالت ہوئی۔

نظر ز دیدۂ ما ناقص فتادہ ست　　　وگرنہ یار ما از کس نہاں نیست

مولانا مغیث عالم دین تھے اور دہلی میں مقیم تھے۔ وہ صوفیاء کی مجالس میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نصیر الدین چراغ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی۔ قوالوں کے اس شعر پر حضرت کو وجد ہوا۔

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد، ہم کردی
قلم بر بے دلاں گفتی نخواہم کرد، ہم راندی

مولانا مغیث نے ایک رسالہ اس مجلس کی کارروائی پر قلم بند کیا اور مولانا معین الدین عمرانی کے پاس بھیج دیا، لب لباب یہ تھا کہ خواجہ نصیر الدین محمود صاحب کو ایسے شعر پر کیوں کیفیت طاری ہوئی کہ جس میں حق تعالیٰ کی نسبت جَور و جفا کا اشارہ ملتا ہے۔

مولانا عمرانی نے رسالہ خواجہ نصیر الدین کی خدمت میں مرسل کیا۔ حضرت نے مولانا عمرانی کو طلب فرما کر وہ کتاب واپس دی۔ اور دستارِ خلافت عطا کی۔ دوسرے روز محفلِ سماع تھی۔ حضرت نصیر چراغ دہلی کو اس رباعی پر اضطراب ہوا۔

باطبل مغانہ دوش بے باک زدیم — عالی علمش بر سرِ افلاک زدیم
از بہرِ یکے مغبچہ مے خوارہ — صدر با کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اضطراب کی کیفیت کچھ کم ہوئی تو کمرے کی چھت پر آ بیٹھے اور مولانا مغیث کو بلوایا اور فرمایا کہ مولانا اب کہیئے کہ اس جگہ کیا جہل ہے اور پھر فرمایا کہ باہر کردو۔ دو چار روز کے بعد مولانا مغیث راہئ ملک عدم ہوئے۔

حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کی وفات ١٧ یا ١٨ ماہ رمضان ٧٥٧ھ میں ہوئی۔ چراغ دہلی کے احاطہ درگاہ کے اندر یا نواح دیوار میں بزرگوں اور مشاہیر کے مزارات ہیں۔ اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ خواجہ کمال الدینؒ

حضرت خواجہ کمال الدین علاقہ اودھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید عبدالرحمٰن صاحب کا نسب نامہ حضرت امام حسن علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے خواجہ کمال الدین کی والدہ محترمہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی سگی بہن تھیں اور زہد و عبادت میں رابعہ عصر تھیں۔

آپ علوم دینی میں یکتا تھے۔ حدیث فقہ، معقول و منقول اور دیگر علوم رائج

الوقت میں یگانۂ روزگار ہونے کے باعث علامہ کہلائے۔ آپ کو قرآن پاک معہ ترجمہ حفظ تھا اور آپ کی قرأت خوش الحان اور دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرنے والی ہوتی تھی۔ علامہ کمال الدین کی ذات ستودہ صفت "علم کا ایک بہتا دریا" کے مصداق تھی کہ جس سے ہزاروں تشنگان علوم اپنی پیاس بجھاتے۔

خواجہ کمال الدین نوافل بہت پڑھا کرتے تھے جب نماز پڑھنے کے لئے مسجد جاتے تو سب سے پہلے دو رکعت نفل آداب مسجد کے لئے ادا کرتے اور اس کے بعد تحیۃ الوضو کے دو نوافل پڑھتے۔ یہ آپ کا تا زیست معمول رہا۔ آپ نے حضرت محبوب الٰہی سے بھی بیعت کی تھی۔ نیز آپ نے مجاہدۂ شاقہ اور ریاضت بے ریا میں ایک عمر گزاری۔ نوجوانی سے تزکیہ اور صفائی باطن میں مصروف رہا کئے۔ آپ کو خرقۂ خلافت حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ نے عطا کیا اور ان کے حکم کے مطابق آپ کا تبلیغی مرکز احمد آباد (صوبہ گجرات مہاراشٹر) مقرر ہوا۔ چنانچہ وہاں جاکر آپ ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اپنے مشن کی تکمیل کے بعد آپ آستانہ چراغ دہلی لوٹ آئے۔

آپ نے سات بار حج بیت اللہ شریف کیا تھا اور بیت المقدس کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ کی اولاد تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ آپ کے بڑے پسر نظام الدین عین عالم شباب میں فوت ہو گئے تھے دوسرے صاحبزادہ شیخ نصیر الدین تھے اور تیسرے بیٹے حضرت شیخ المشائخ مولانا سراج الدین تھے۔ بیٹی کی شادی حضرت شیخ برہان الدین صاحب سے ہوئی تھی۔

حضرت سید محمد گیسو دراز نے علامہ کمال الدین صاحب کے بہت سے مناقب اپنی تصانیف میں تحریر فرماتے ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت (جائے دفن اوچ شریف ضلع بہاولپور پاکستان) نے علامہ کمال الدین صاحب سے مشارق الانوار کی شرح پڑھی ہے۔ اور انہیں سرکار چراغ دہلی سے جو منشور خلافت ملا تھا۔ وہ خواجہ کمال الدین صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق اور دہلی دربار کے بہت سے امراء اور وزراء

آپ سے خاص اعتقاد رکھتے تھے۔ حضرت چراغ دہلی کو علامہ موصوف سے بہت نسبت تھی۔ اسی وجہ سے آپ کو اپنے حجرے کے ردبرو دفن کرایا آپ کے خاص فیض یافتگان میں مولانا احمد تھانیسری۔ مولانا محمد عالم پانی پتی۔ تاتار خاں اور مولانا سنگریزہ ملتانی مشہور ہیں۔

حضرت خواجہ کمال الدین کی رحلت مورخہ ۲۷ ذیلقعد ۷۵۶ھ کو ہوئی اور مرقد بستی چراغ دہلی میں حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے بالکل قریب ہے۔

مرقد خواجہ ملک زادہ احمدؒ (المتوفی ۷۴۲ھ)

حضرت ملک زادہ احمد کا مدفن حضرت نصیرالدین چراغ کے روضہ کے جوار میں ہے۔ خواجہ احمد جب تک مرشد کی زیارت نہ کر لیتے کھانا نہ کھاتے تھے۔ محبت شیخ میں فنافی الشیخ ہو گئے تھے۔ آپ کی زنات بھی شیخ کے دیدار سے ہوئی۔ جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ ملک زادہ احمد صاحب کو حضرت نصیرالدین چراغ یعنی اپنے مرشد کا اتنا ادب ملحوظ تھا۔ کہ بوجہ احترام آپ نے بیعت ظاہر نہیں کی۔ فرماتے تھے کہ میری مجال نہیں کہ شیخ کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھوں۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

مقبرہ سلطان بہلول خاں لودھی

حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی کی خانقاہ کی چار دیواری کے اندر ایک کونے پر سلطان بہلول خاں لودھی کا مقبرہ ہے۔ صاحب قبر کالا پسر ابراہیم خاں کا فرزند تھا۔ ابراہیم خاں کچھ عرصہ ملتان کا حاکم رہا تھا۔ بہلول خاں کی ماں مکان کی چھت گرنے سے مر گئی تو اس کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالا گیا۔ جس کا نام بہلول رکھا گیا۔ بہلول خاں کا بچپن بہت عسرت میں گزرا، نوجوانی میں اپنی والدہ کے بھائیوں کے ساتھ ڈاکہ زنی کرنے لگا۔ ایک مرتبہ کسی فقیر نے اُسے بشارت دی کہ وہ ایک دن دہلی کا سلطان ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بہلول خاں ایک اچھا سپاہی تو تھا ہی ایک اچھا انسان بھی بن گیا۔ ترقی کرتے کرتے صوبہ دار

بن گیا۔ دہلی پر سلطان عالم شاہ علاؤالدینؒ کی حکومت تھی۔ وہ محض نام کا بادشاہ تھا۔ اور پرلے درجے کا نالائق تھا۔ اس نے از خود حکومت بہلول کے سپرد کر دی۔ چنانچہ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ کو بہلول نے حاکم دہلی ہونے کا اعلان کر کے اپنے نام کا خطبہ مساجد میں پڑھوایا۔ بہلول خاں کی تمام عمر جنگ وجدل میں گزری وہ ۸۹۴ھ میں بیمار ہوا اور اسی سال مورخہ ۲ شعبان کو فوت ہو گیا اور وہ اپنے باغ میں جو حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی کی درگاہ سے متصل تھا دفن ہوا۔ مقبرہ کی عمارت اور ساتھ ہی مسجد اگرچہ محفوظ ہیں۔ لیکن اس کے اردگرد اتنی غلاظت جمع ہو گئی ہوئی ہے کہ طبیعت متلی کرنے لگتی ہے بستی چراغ دہلی میں گنتی کے چند مسلمان مجاورین درگاہ کے مکانوں کو چھوڑ کر تمام کی تمام آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے اور وہ لوگ نہایت ہی اجڈ اور گنوار قسم کے ہیں۔ مرد۔ عورتیں اور بچے سلطان لودھی کے مقبرہ کے اردگرد ٹٹی پیشاب کرتے رہتے ہیں۔ صفائی کا قطعاً کوئی انتظام نہیں ہے۔ بڑے بڑے مسلمان اکابر کی پختہ قبریں جو مرور ایام سے بچ رہی ہیں۔ اور کافی تعداد میں ہیں۔ ان پر اکثر پالتو سوّر بول وبراز کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمان سفارت کاروں کو بالعموم اور پاکستان کے سفیر   کو بالخصوص اس بارے میں صورتِ احوال کی اصلاح کے لئے حکومتِ ہندوستان سے رجوع کرنا چاہیئے یہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے خالص انسانی مسئلہ ہے اور فوری توجہ کا طالب ہے۔

مرقد نواب مرتضیٰ خاں

نواب مرتضیٰ خاں کا اصل نام شیخ فریدالدین ابن سید احمد بخاری تھا۔ اپنے لقب یعنی مرتضیٰ خاں کے نام سے مشہور ہوئے آپ کی قبر بستی چراغ دہلی میں ہی ہے اور نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہے۔

شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے عہد حکومت میں یہ بخشی کے عہدہ پر مامور

تھے۔ انہوں نے شہزادہ سلیم (جو بعد میں شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے نام سے معروف ہوا) کی جانشینی کے لئے بڑا کام کیا تھا۔ چنانچہ عہد جہانگیری میں ان کا تقرر بطور میر بخشی الممالک ہوا۔ یہ گجرات اور پنجاب کے گورنر بھی رہے۔ مآثر الامرا کے مصنف نے نواب مرتضیٰ خاں کی گوناگوں خوبیوں اور عالی اوصاف کا کافی تذکرہ کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس کے بعد ایسا عظیم انسان پھر ہندوستان نے پیدا نہیں کیا۔

نواب مرتضیٰ خاں میں اسلامی حمیت اور غیرت دینی کمال درجہ پر تھی۔ چنانچہ موصوف اسلامی شعائر کی ترویج کے لئے ہمیشہ بے تاب رہا کرتے تھے حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ یعنی دونوں بزرگ نواب مرتضیٰ خاں کی خوبیوں اور محاسن کے معترف تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اصلاحی اور تجدیدی مشن میں مرتضیٰ خاں نے بھرپور تعاون کیا اور ایسی خدمات بجا لائے کہ جن کا اعتراف حضرت مجدد صاحب نے اس شعر میں کیا تھا۔

گر بر تنِ من زبان شود ہر موئے — یک شکر تو از ہزار نتواں کرد

نواب مرتضیٰ خاں کا انتقال ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۵ء میں یعنی شہنشاہ جہانگیر کے گیارہویں سال جلوس میں بمقام پاک پٹن شریف (پاکستان) ہوا۔ ان کی نعش وہاں سے دہلی لائی گئی۔ اور موجودہ جگہ پر دفن کی گئی تھی۔

نواب مرتضیٰ خاں کی قبر پر پہلے بھی کوئی عمارت از قسم گنبد وغیرہ نہ تھی لیکن ایک بڑے چبوترے پر سنگ مرمر کی ٹائلیں لگائی گئی تھیں۔ تعویذ قبر بھی نہایت خوب صورت تھا، افسوس اب امتداد زمانہ کے ہاتھوں سب نقشہ بگڑ چکا ہے مزار کے کتبہ کی عمارت تقریباً معدوم ہو چکی ہے۔ مضمون کتبہ جو کتابوں میں تحریر ہے اس طرح سے ہے۔

مرتضیٰ خاں چو بحق واصل شد — گشت تعلیم بقا مفتوحش
بہر تاریخ ملائک گفتند — باد پُر نور الٰہی روحش

ہم آپ کو تغلق آباد لئے چلتے ہیں۔ وہی قطب روڈ والا راستہ ہے۔ پہلا پڑاؤ لاڈو سرائے ہے۔ جس کا اب نام ہی واقف لوگوں کی زبان پر رہ گیا ہے بستی لاڈو سرائے اور مضافات میں اب زیادہ تر آبادی غیر مسلموں کی ہے۔ مساجد و خانقاہیں جو امتداد زمانہ کے ہاتھوں ابھی تک بچ رہی ہیں نہایت شکستہ حالت میں ہیں اور وہاں ویرانی کا دور دورہ ہے۔ خواجہ شیخ شہاب الدین کی مسجد یہیں واقع ہے۔ احاطہ مسجد میں کافی قبور تو ہموار بہ زمین ہو چکی ہیں۔ چند ایک پختہ قبریں رہ گیئں جن میں چار ایسی ہیں جن میں ذیل کے اکابر محو خواب ہیں۔

حضرت مولانا شہاب الدین صاحب امام اول حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ ساتھ والی قبر شیخ رکن الدین فرزند حضرت مولانا شہاب الدینؒ امام کی ہے۔ دو اور قبور شیخ مسعود بک اور شیخ حیدر کی ہیں۔

حضرت مولانا شیخ شہاب الدین حضرت شیخ فرید الدین قدس سرہٗ العزیز کے فرزند تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی مسجد کے امام اول تھے۔ آپ کو قرآن مجید معہ ترجمہ اور تفسیر کے حفظ تھا۔ آپ کی قرأت کی بھی بہت شہرت تھی۔ چنانچہ صحت لفظی اور خوش الحانی میں لاجواب تھے۔ حضرت محبوب الٰہی کے مرید بھی تھے اور ان کے ارتحال کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے اور ہدایت خلق میں مصروف رہے۔

حضرت شیخ رکن الدین فرزند حضرت شیخ شہاب الدین امام نے نعمت باطنی اپنے والد گرامی سے حاصل کی تھی حضرت سلطان جی نے ان کو بھی خلافت دی تھی۔ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہیں۔ نظام الدین اولیاءؒ کی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

مزار سیّد الحجابؒ صاحب

اب صرف آثار سے ہی قیافہ لگایا جا سکتا ہے کہ فلاں قبر حضرت موصوف کی

ہے۔ یہاں کے نواح میں بلکہ پورے علاقے میں اُجڈ اور گنوار قسم کے ہندو گوجر اور جاٹ بستے ہیں۔ قبروں کا بہت بُرا حال ہے۔ قدیم عمارات منہدم کر دی گئی ہیں۔ کوئی کوئی نشانات ہیں جنہیں دیکھ کر دل کو وحشت و ویرانی ہوتی ہے

سید الحجاب کا تذکرہ مولانا ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اس طور سے کیا ہے کہ خواجہ وحیدالدین جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے اپنے نومولود بیٹے کو ان کی خدمت میں نام رکھنے اور دعا کرانے کے لئے لے گئے اس وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ وضو کر رہے تھے۔ جب وہ فارغ ہوئے تو مرشد نے خواجہ وحیدالدین سے فرمایا کہ اس معروف مہمان کو میرے نزدیک لے آ۔ چنانچہ نومولود کو سلطان جی نے لوٹے میں بچا ہوا وضو کا تھوڑا سا پانی پلایا اور کہا کہ یہ معروف عالم ہوگا۔ اس کی اچھی طرح سے پرورش کرنا۔ چنانچہ اس بچے کا نام معروف رکھ دیا گیا۔

جناب معروف صاحب بڑے عالم و فاضل ہوئے اور آپ اپنے زہد و حق پرستی کے لئے مشہور عالم تھے۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد جب واپس دہلی آئے تو سلطان محمد تغلق نے ان کے فضائل و کمالات سے واقفیت کی بناء پر انہیں نائب عماد الملک کا خطاب دیا۔ سلطان فیروز شاہ کے عہد میں ۱۳۵۱ء میں انہیں عماد الملک کمال سید الحجاب کا خطاب دیا اور اپنا خاص مشیر مقرر کیا۔ سید الحجاب نے علماء اور فقراء کو جاگیریں دلوائیں اور غرباء و مساکین کی بہت خدمت کی۔ آپ چالیس برس تک اس عہدہ پر مامور رہے۔ جب درباری کاموں سے فارغ ہوتے تو تلاوت قرآن مجید کیا کرتے اور بہت گریہ و زاری کیا کرتے۔ آپ کی رحلت ۷۷۲ھ میں ہوئی۔

حضرت مسعود بک حضرت شیخ رکن الدین صاحب کے مرید تھے۔ حضرت مسعود بک کا اصل نام شیر خاں تھا۔ اور آپ سلطان فیروز شاہ کے رشتہ دار تھے۔ خشیت الٰہی کا ایسا غلبہ ہوا کہ دنیاداری کے جملہ امور سے متنفر ہو گئے اور حلقۂ درویشاں میں شامل ہو گئے۔ اکثر حالت سُکر میں

رہا کرتے تھے۔ آخر میں فرقۂ ملامتیہ اختیار کر لیا تھا۔ علماء سے اکثر دینی امور پر آپ کی نوک جھونک رہتی تھی۔ حضرت مسعود بک بڑے فاضل شخص تھے توحید اور تصوف پر آپ کی کافی تصنیفات ہیں۔ عین الصفات ہمدانی اور مراۃ العارفین آپ کی ہی علمی یادگاروں میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امیر خسرو رح کے اکثر قصائد و غزلیات کا جواب لکھا تھا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث رح دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ سوائے مسعود بک کے کسی بزرگ سلسلہ چشتیہ نے اسرار حقیقت کو فاش نہیں کیا۔ اس بناء پر قتل بھی کیے گئے تھے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ عشق الٰہی میں جو آنسو آنکھ سے نکلتا تھا۔ وہ اس قدر گرم ہوتا تھا کہ دوسرے کے ہاتھ کو جلا دیتا تھا۔ آپ کی قبر کی زیارت کرتے ہی طبیعت پر ایک یاس کی سی کیفیت چھا جاتی ہے ان دنوں ایک مجذوب وہاں اکثر رہتا ہے۔ کسی سے نہ کچھ قبول کرتا ہے ورنہ ہی کوئی بات کہتا ہے۔

آج کی صحبت میں آپ کو قطب روڈ کے مضاف اور پہاڑ گنج میں واقع زیارتوں کے لئے لئے چلتے ہیں۔ ہمارے سامنے جو عمارت ہے اُسے گنبد شیخ ضیاالدین رومی رح کہتے ہیں اس کا محل وقوع Location کالو سرائے کے سامنے قطب روڈ کے کنارہ بائیں طرف ہے۔ یہ جگہ پرانی دہلی یعنی شاہجہان آباد سے تقریباً ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت شیخ ضیاءالدین رومی رح مشائخ عظام میں سے تھے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کے خلفاء میں سے تھے بادشاہ دہلی قطب الدین ابن سلطان علاؤالدین آپ کا مُرید تھا۔ حضرت ضیاءالدین کا سنِ وفات ۷۲۱ھ بتایا جاتا ہے۔ عمارت مزار اب شکست و ریخت سے دوچار ہے شاید کوئی زائر کبھی کبھار یہاں آجاتا ہوگا۔

درگاہ بی بی نور

ایک وسیع احاطہ جس میں اب بھی بہت سی قبریں ہیں قطب روڈ پر نویں اور دسویں میل کے مابین واقع ہے۔ اس نور واسے قطعہ کو اڑھ چینی بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایک عمارت تو چلّہ گاہ کی ہے۔ اور اس کے بالکل سامنے حضرت سلطان جی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی والدہ محترمہ (حضرت بی بی زلیخا صاحبہ جن کی رحلت ماہ جمادی الآخر ۶۴۸ھ میں ہوئی تھی) کی قبر شریف ہے اس کے قریب ہی دوسری زنانہ قبر محترمہ حضرت بی بی جنت صاحبہ کی ہے جو سلطان جی کی ہمشیرہ تھیں۔ تیسری قبر ان کی پیاری بیٹی بی بی زینب کی ہے۔ چلّہ گاہ کے عقب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی دو دختران کی قبریں ہیں جن کے نام بی بی حور صاحبہ اور بی بی نور صاحبہ تھے۔

بارگاہِ متوکلؒ

احاطہ بی بی نور سے عین متصل جو احاطہ قبور ہے۔ اس میں پانچ نہایت ہی پاک ہستیوں کی استراحت گاہیں ہیں۔

بائیں سے دائیں دیکھو تو پہلی قبر تو شیخ احمد صاحب فرزند حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی ہے اور دوسری قبر خود شیخ نجیب الدین متوکل کی ہے۔ ان کے ساتھ والی قبور حضرت نجیب الدین کے دوسرے دو بیٹوں یعنی حضرت شیخ اسماعیل اور شیخ محمد صاحب کی ہیں۔ آخر والی مرقد حضرت فاطمہ بی بی دختر حضرت بابا فریدالدین گنج شکر پاک پٹنی کی ہے۔

بارگاہ متوکلؒ یعنی یہ قطعہ زمین جس کا ذکر ہو رہا ہے وہ جگہ ہے جہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی رہائش گاہ تھی۔ حضرت نجیب الدین متوکلؒ گرامی اولیاء میں سے تھے۔ امید ہے آپ کا مختصر سوانح تذکرہ قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

حضرت شیخ نجیب الدّین متوکلؒ

آپ حضرت بابا فرید گنج شکر کے حقیقی بھائی تھے اور علوم ظاہری و باطنی میں کمال دست گاہ رکھتے تھے۔ نہایت ہی صبر کرنے والے اور اللہ پاک پر کامل توکل رکھنے والے بزرگ تھے اور وہ اس طرح کہ ستر برس دہلی میں رہے لیکن کبھی کسی دنیا دار کے مکان پر نہیں گئے۔ آپ کو ہمہ وقت عشق الٰہی میں استغراق رہتا تھا۔ اور یہ بھی خبر نہ ہوتی تھی کہ کونسا دن اور کون سا مہینہ ہے اور یہ بھی نہ جانتے تھے کہ فلاں سکہ کس مقدار و مالیت کا ہے۔ شیخ نجیب الدین متوکل کو خلافت حضرت بابا فریدالدین صاحب سے ہی عنایت ہوتی تھی حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی مشہور تصنیف اخبار الاخیار میں کئی ایک واقعات حضرت متوکل کے درج کئے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء اپنے قیام دہلی میں آپ کی خدمت میں اکثر حاضری دیا کرتے تھے۔ اور آپ ہی سے بابا صاحب کا شہرہ سن کر بیعت اور کسب فیض کے لئے پاک پٹن شریف گئے تھے۔

شیخ نجیب الدین متوکلؒ دہلی سے اپنے برادر گرامی حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں کوئی انیس بار گئے۔ ہر مرتبہ پاک پٹن سے رخصت ہونے سے پہلے باباصاحب سے دعا کے لئے معروض ہوتے کہ پھر خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ میسر ہو۔ لیکن جب آخری بار دعا کے لئے خواستگار ہوئے تو بابا صاحب خاموش ہو گئے تھے۔ حضرت متوکلؒ کو علمی ذوق بھی تھا۔ چنانچہ بقول صاحب فوائد الفواد مشہور کتاب جامع الحکایات آپ کی ہی تصنیف لطیف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک عید کے موقعہ پر کچھ درویش حضرت نجیب الدین متوکل کے ہاں تشریف لائے اور عید کی مبارکباد کہی۔ اتفاقاً اُس روز حضرت کے ہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے معذرت کر کے اپنے بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور مشغول عبادت ہوئے۔ باری تعالےٰ سے عرض گذاری کہ آج یوم عید سعید ہے۔ میرے اہل خانہ بھوکے ہیں اور آنے والے مہمان مسافر بھی خالی جائیں گے آپ دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے خوان طعام پیش کیا اور یہ شعر کہا۔

با دل گفتم دلا خضر را بینی   دل گفت اگر مرا نماید بینم۔

حضرت نجیب الدین متوکل کی تاریخ پیدائش کا کچھ علم نہیں۔ سن وفات بعض نے ۶۷۱ھ اور دیگر سوانح نگاروں نے ۶۷۹ھ لکھا ہے۔

مرقد بی بی سام صاحبہ

حضرت متوکل کے قریب ہی بی بی سام کی آخری آرامگاہ ہے۔ قبر چہار دیواری کے اندر ہے۔ بی بی سام کے تفصیلی حالات نہیں مل پاتے۔ بابا فرید الدین گنج شکر بہن کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ سام بہن دو مرد اولیاء اللہ کے برابر ہیں۔ حضرت نجیب الدین متوکل کو یہ بھائی کہا کرتی تھیں۔ ان کے گھر میں جب دو تین فاقے گزرتے تو بی بی سام صاحبہ کو کشفاً پتہ لگ جایا کرتا تھا۔ چنانچہ کلچے پکوا کر اُن کے ہاں بھجوا دیا کرتی تھیں اور آپ کا یہ ہدیہ حضرت متوکل قبول کر لیا کرتے تھے۔

قطب روڈ دہلی سے اب پہاڑ گنج چلتے ہیں۔ یہاں پر چند زیارات آپ کو کرانے کے بعد دہلی شاہجہان آباد لے چلیں گے۔ پہاڑ گنج کے کنارے کچھ ہی فاصلے پر حضرت گلشن شاہ کا مزار ہے۔ جن کا سن وفات ۱۱۵۲ھ ہے۔ حضرت موصوف خواجہ عبداللہ الاحد نقشبندی کے خلیفہ تھے۔ مزار پر ایک خادم رہتا ہے جو مزار کی صفائی اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ قبر شریف پر جو کتبہ نصب ہے اس کی عبارت یوں ہے۔

شاہ سعد اللہ گلشن حیدری جامع بود میان کمالات ظاہری و باطنی زہد و تقویٰ و تجرید و تفرید و ریاضت شاقہ کشید۔ طعام بعد از سہ روز زیادہ از سہ لقمہ تناول نہ کردے و تا سی سال (۳۰ سال) خود در یک گلیم گزرا نید۔

آخر در ۱۱۵۲ھ وفات یافت"۔

مزار حضرت شاہ صابر بخش چشتی صابری رح

آپ کا مزار علاقہ دریا گنج دہلی میں ہے۔ عمارت خانقاہ بھی موجود ہے جہاں مسافر لوگ اب بھی قیام و آرام کرتے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ کو ہوا تھا۔ کل امرائے دہلی۔ بادشاہ اور شاہزادے حضرت موصوف کے معتقد تھے۔ جناب صابر بخش بے حد مخیر تھے۔ اور غرباء سے نہایت محبت رکھتے تھے۔

سر سید احمد خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ آپ کی سخاوت سے حاتم طائی کا نام صفحۂ روزگار سے فک ہو گیا۔ حضرت صابر بخش فتوحات کو کم قبول فرماتے تھے۔ کوئی مرد یا عورت آسیب زدہ آپ کے روبرو لائے جاتے تو آپ کی صورت دیکھتے ہی اُن کا آسیب بھاگ جاتا تھا۔ آپ کے نفس پاک کو اللہ تعالےٰ نے وہ تاثیر بخشی تھی کہ کیسا ہی سخت مرض ہوتا آپ کے دم کر دینے سے صحتیاب ہو جاتا تھا۔ ہزاروں گھر آپ کی رعایا تھے اور آپ رعایا میں سے ہر ایک کو فرزندوں کی طرح سے پرورش فرماتے تھے۔

حضرت سید صابر علی عرف شاہ صابر بخش کے والد مکرم حضرت شاہ نصیر الدین ابنِ شاہ غلام سادات چشتی پسر شیخ عبدالواحد عرف نواب بشارت خاں برادر زادۂ حقیقی قطب العارفین حضرت شیخ محمد چشتی رح تھے۔ حضرت شاہ صابر بخش رح کو خصوصی فیض اپنے دادا یعنی شاہ غلام سادات کی بیعت کے وسیلہ سے ملا تھا۔ اور آپ ان کے سجادہ اور خلیفہ بھی ہوئے۔

آپ کے مزار مبارک پر حاضری سے ایک عجیب و غریب کیف زائر کو محسوس ہوتا ہے۔ اہل دہلی اور بیرون جات سے کچھ لوگ یہاں فاتحہ خوانی کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں۔

قدیم دہلی کے گرداگرد جو فصیل تھی وہ اب کہیں کہیں باقی از شاہمعنہ ہے۔ اسی طرح قدیم دروازوں کے بیرون جو خالی جگہ تھی اب بڑی بڑی آبادیوں سے

پُر ہو گئی ہے۔ زیادہ تر عمارات ۱۹۴۷ء کے بعد میں تعمیر ہوئی ہیں۔ بیرون اجمیری گیٹ کو ہی لے لیجئے جو اکا دُکا قدیم عمارات تھیں وہ کمرشل بلڈنگس کی قطار در قطار میں یا تو معدوم ہو گیئں یا غیر معروف ہو کر چھپ چھپا گئی ہیں جو اسلامی عمارات دستبرد زمانہ سے بچ گیئں اور اب تک کسی شکل میں موجود ہیں اور جنہیں راقم خاکسار کو دیکھنے کا موقع ملا ان کا تذکرہ سن لیجئے۔

مقبرہ و مدرسہ غازی الدّین خاںؒ

بیرون اجمیری دروازہ یہ دلکش عمارت ۱۱۲۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ عمارت کے بانی میر شہاب الدین ابن خواجہ عابد قلیچ خاں تھے۔ جن کا نسبی شجرہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملتا ہے۔ میر شہاب الدین بڑے نامور جرنیل تھے انھوں نے راٹھور راجپوتوں کے خلاف کئی ایک مہمات میں فتح یابی حاصل کی۔ گولکنڈہ کی فتح کا سہرا بھی اس کے سر رہا۔ تانا شاہ ابوالحسن کو گرفتار کر کے میر شہاب الدین نے ہی اورنگ زیب عالمگیر کے حضور پیش کیا تھا۔ ان کی خدمات کے صلہ میں مغل دربار سے غازی الدین خاں کا خطاب عنایت ہوا تھا اور تادم آخر یہ سلطنت مغلیہ کے مشیر رہے۔ اگرچہ ان کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ غازی الدین خاں کا انتقال ۱۱۲۲ھ میں بمقام احمد آباد ہوا۔ اُن کی نعش وہاں سے دہلی لاکر دفن کی گئی۔ قارئین کو یہ معلوم ہوگا کہ غازی الدین خاں کے پسر چین قلیچ خاں تھے جن کا خطاب نظام الملک تھا اور جنہوں نے دکن کے حکمران نظام خاندان کی بنیاد ڈالی تھی۔ اُس خاندان کا آخری نظام میر عثمان علی خاں تھا، جس کی دُوں ہمتی اور ناعاقبت اندیشی سے ۱۹۴۸ء میں نہ صرف ریاست کا خاتمہ ہوا۔ بلکہ ہزاروں مسلمانوں کا بلاوجہ کشت و خون ہوا اور ہزاروں دکھنی مسلمان پاکستان میں پناہ گزین ہوئے۔

حضرت ترکمان

ترکمان دروازہ حضرت شاہ ترکمان بیابانی کے نام سے منسوب ہے۔ آپ کے مختصر حالات یوں ہیں کہ آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے اور ترک تجرید میں اپنی مثال آپ تھے۔ بڑے ہی صاحب عظمت وجلال شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور آپ میں بڑا رشتہ محبت ومودت تھا۔ ابتداء میں شاہ ترکمان علاقہ نیمرہ سے دہلی محض حضرت قطب صاحب کی زیارت کے لیئے ہی آیا کرتے تھے۔ یہ بھی کئی کتب میں نظر سے گزرا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی حضرت ترکمان سے ملاقات کے لیئے دو بار تشریف لے گئے تھے۔ حضرت ترکمان کا لقب شمس العارفین تھا۔ سلطان شمس الدین التمش کو حضرت سے خاص ایک گونہ لگاؤ تھا۔ ایک مرتبہ سلطان مذکور نے کہا کہ حضرت جنگل بیابان کو چھوڑ کر آبادی میں اقامت رکھیئے تاکہ برکت انفاس سے مخلوقِ خدا تعالیٰ کو نفع ہو۔ آپؒ نے جواباً فرمایا کہ اسے بادشاہ اگر اللہ پاک کو منظور ہوگا تو یہی کثیر آبادی ہو جائے گی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس جگہ مسجد تعمیر ہوئی اور چند دیگر مکانات بھی مسجد آج تک موجود ہے۔ حضرت ترکمان کے مزار کے اردگرد کی چار دیواری مغل شہنشاہ شاہجہان نے بنوائی تھی۔ حضرت ترکمان کی وفات سلطانہ رضیہ کے عہد حکومت میں ہوئی تھی۔ اس درگاہ پر اب بھی کافی رونق رہتی ہے۔ لوگ یہاں سے پانی اور تبرک لے جاتے ہیں جو شفائے مریضان کے لیئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے لگے ہاتھوں حضرت شمس الدین ترکمان بیابانی کے ایک پیر بھائی حضرت نورالدین مبارک غزنویؒ خلیفہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے بارے میں بھی عرض کیئے دیتے ہیں۔ آپ کو سلطان التمش نے بعہدۂ شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔

حضرت نورالدین نے اول نعمت شیخ اجل شیرازی سے پائی۔ اور اس

کے بعد خرقۂ خلافت حضرت شہاب الدین سہروردی سے حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۶۳۴ھ میں ہوئی تھی۔ دہلی میں دفن ہیں۔ آپ کی ایک مشہور کرامت کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں امساک باراں تھا لوگ بڑے پریشان تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید کو آ گھیرا کہ حضرت نزول باران رحمت کے لئے دعا فرمائیں آپ اسی وقت کچھ لوگوں کے ہمراہ سید نورالدین مبارکؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا سیدی میری آپ سے جو نزاع تھی اس کو معاف فرمایئے اور آشتی (دوستی) کیجیئے کہ پانی بند ہے۔ تمام شہر دہلی پانی پانی پکار رہا ہے۔ پھر جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور گلوگیر ہو کر حضور باری تعالےٰ میں عرض کی کہ یا الہٰی بارانِ رحمت بھیج دیجئے ورنہ میں تا حیات آبادی میں نہ جاؤں گا۔ اسی آن مینہ برسنے لگا۔ آپ کے خادم نے ادباً عرض کیا کہ حضرت جی کیا بندہ کو پروردگار کے حضور ایسے زور سے عرض کرنا مناسب تھا۔ اس میں کیا بھید تھا۔ جو آپ یوں گویا ہوئے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ میاں قطب الدین! اس لئے کہ دوست جو دوست سے کہتا ہے وہ ضرور قبول کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سید نور الدین صاحب کی جو رنجش تھی اس کی صفائی ہو گئی۔ انہوں نے بھی مجھے یوں دعا کے لئے ارشاد فرمایا تھا۔

احقر نے صغر سنی میں ایک شعر بزرگوں کی محفل میں سنا اور اسے زبانی یاد کر لیا، اگرچہ اس وقت شعر کا مطلب اپنے فہم ناقص و ناپختہ سے بالا تھا لیکن وہ پسندیدہ شعر اتنا پسندیدہ تھا۔ کہ کئی بار اسے گنگنایا کرتا۔ اب اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کے آستانہ پر حاضری دیتے وقت معاً وہ شعر لبوں پر آجاتا ہے، اور طبیعت میں عجب گداز پیدا ہو جاتا ہے۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اس شعر کی صحیح تعبیر راقم خاکسار کو دہلی میں قدم شریف کی زیارت کرتے وقت سمجھ میں آئی اور اس کا تعلق زیادہ تر عالم محسوسات سے تھا۔ شعر

پیام بوس تو دست کسے رسید کہ او | بہ آستانہ بدیں در ہمیشہ سر دارد

لاہوری دروازہ دہلی سے کوئی دو کلو میٹر جنوبی رخ پہ درگاہ قدم شریف ہے کہ جہاں ایک پتھر کی سِل پر حضور پُر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشِ قدم ہے جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے لاڈلے بیٹے شہزادہ فتح خاں کے تعویذ مرقد پر لگا ہوا ہے۔

بر لوحِ سرِ تربتِ خود نقش تو کندیم | تا روزِ قیامت سرِ ما و قدم تُست

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم والا پتھر حضرت جلال الدین جہانیاں جہانگشت (مدفون اُچ شریف پاکستان) مکہ معظمہ سے دہلی تک اپنے سر پر رکھ کر لائے تھے۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے ایک کروڑ نیرہ لاکھ روپے نقد خلیفۂ مصر کو ادا کیے کہ حضرت جہانگشت کے ذریعہ نقشِ قدم شریف منگوایا تھا۔ قدم شریف کا احترام سب اولیاء اللہ مشائخ و علماء اور مسلم عمائدین نے روا رکھا ہے۔ تذکرۃ العلماء میں شاہ محمد اکرم رقم طراز ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی ساری ساری رات درگاہ قدم شریف میں مراقبہ کیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث نے جو اشعار اپنے بھائی کو لکھے تھے۔ یہاں تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کا خیال مبارک اس نقشِ قدم رسول کے باب میں کتنا پاکیزہ اور بلند تھا۔

اشعار

گاہے بسوئے مقام خواجہؒ | آئی و شوی غلامِ خواجہؒ
آں خواجہ کی قطبِ چرخِ دین ست | ماہِ فلک دستِ زمین ست

اشعار مذکورہ دروازہ پر کندہ کئے گئے ہیں۔

زہے گم کناں رہنمائے محمدؐ — ہدایت دہندہ ہدائے محمدؐ
شکستہ دلاں را شدہ مرہمے — دل دردمنداں دوائے محمدؐ
خوش آں مدرسہ منبر و بارگاہ — کہ در دے بیاشند ثنائے محمدؐ
عرش گشتہ در زیر پائے او مسلّم — بر آں کو شدہ خاک پائے محمدؐ
منم از سگان سگ کوئے او — شدہ شیرا دن از گدائے محمدؐ

ہر روز درگاہ قدم شریف پر کافی رونق رہتی ہے۔ بارہ ربیع الاوّل شریف کو درگاہ پر کافی بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ دور دور سے لوگ یہاں آکر آستانہ بوس ہوتے ہیں۔

پاکستانی زائرین درگاہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

ذکر شریف حضرت خواجہ باقی باللہؒ

حضرت خواجہ باقی باللہ کا اصل نام رضی الدین احمد تھا۔ خواجہ محمد باقی باللہ کا خطاب سرکار مرشد سے عنایت ہوا تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام قاضی عبدالسلام سمرقندی تھا۔ قیاس ہے کہ آپ کی ولادت ۹۷۱ھ میں بمقام کابل (افغانستان) ہوئی آپ کا ایک لقب خواجہ بیرنگ (بے رنگ) تھا جس کی وجہ غالباً آپ کی انتہائی انکساری تھی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں ہی حاصل کی۔ باطنی علوم اور فیوضِ روحانی کا اکتساب حضرت خواجگی امکنگیؒ سے مدینہ منورہ میں کیا۔ اپنے مرشد حضرت امکنگیؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور انہی کے فرمان پر برصغیر پاکستان و ہند کی راہ لی۔ آپ کابل سے کچھ عرصہ کشمیر رہے اور تقریباً ایک سال آپ

آرے گزری یہ عوض سلطان — چوں خضر بنوشی آب حیواں
بخشندۂ حیات جاودانی — یارب کہ ہمیشہ زندہ مانی
بستر ز انداں بعرس حضرت — شیخ دوجہاں نظام ملت
گہ کردہ ز شوق پائے تاسر — آئی سوئے مقدم پیمبرؐ
بوسی قدم شریف اورا — مالی رُخ خود بخاک آں پا
خلقش ہمہ کعبہ می شمارند — زاں اہل صفا کشش کی دارند
آں کعبہ چو در مقام دہلی ست — زاں مکّہ خورد نام دہلی است
دہلی و ہزار جائے دلکش — ہر جا چو بہشت جاوداں خوش

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث رحؒ ابن حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اکثر درگاہ قدم شریف زیارت کے لئے آتے اور یہ شعر پڑھا کرتے۔ ع

ایں قدم گاہِ مبارک خادمش رضواں شُد
چہ عجب روح الامینؑ ہم بر درش دربان شُد

درگاہ شریف کے گرد عمارات میں مدرسہ مسجد اور دیگر مکانات تعمیر شدہ ہیں۔ مسجد کی چار دیواری کے ساتھ ایک بڑا حوض ہے۔ دالانوں میں جو قبریں ہیں وہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے اہل خاندان کی ہیں۔ عمارت درگاہ میں جگہ جگہ خوبصورت اشعار کندہ ہیں۔

ایک دروازے کی پیشانی پر یہ شعر رقم ہے۔ ع

گشتیم سرافراز چو باک قدم شریف — تاریخ برآمد "باک قدم شریف"

درگاہ شریف کے نواح میں جو عمارات بعد کی تعمیر کردہ ہیں اُن میں ایک مسجد بھی ہے جس کی ساخت خانِ جہاں کی مساجد کی طرز پر ہے۔ اسے مسجد چہ رایا قدم شریف کہتے ہیں۔ درگاہ کے کئی ایک دروازے ہیں۔ اُن میں سے ایک دروازہ ۱۰۸۲ھ میں شیرواں خاں حبشی (المتوفی ۱۰۸۲ھ) نے بنوایا تھا۔ شیرواں خان جو اورنگ زیب عالمگیر کے ابتدائی عہد حکومت میں معروف آدمی تھا۔ اولیاء اللہ اور درویشوں کا بے حد عقیدت مند تھا۔ اور مخلوق خدا کی خدمت میں بڑا مصروف رہا کرتا تھا، شاعر بھی تھا۔ اس کے اپنے موزوں کردہ

کا قیام لاہور (پاکستان) میں رہا اور اس کے بعد دہلی پہنچ کر قلعۂ فیروز شاہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اگر خواجہ باقی باللہ کی ذات گرامی کا برصغیر میں ورود مسعود نہ ہوتا تو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ یہیں جاری نہ ہو پاتا۔ قضا و قدر نے آپ کو حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی تربیت کے لئے مامور فرمایا جو مجدد الف ثانی ہوئے اور جن کے فیض سے آگے چل کر کتنے ہی فتنوں کا سدِ باب ہوا اور جن کے حسنِ عمل اور جہاد اکبر کے معرکوں کے انوارات آج بھی جلوہ گر ہیں۔

معمولات

حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ کم کھاتے، کم بولتے اور کم سوتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد سے نماز تہجد تک نوافل ادا کرتے۔ تہجد کی نماز میں سورۂ یٰسین ایک سو بیس ۱۲۰ مرتبہ پڑھا کرتے اور فجر کی نماز تک اسم ذات میں مشغول رہتے اس دوران اکتالیس بار سورۂ مزمل پڑھ کر صبح کی نماز باجماعت ادا کر کے اشراق تک وظائف میں مصروف رہتے۔ اس کے بعد ڈیڑھ پہر دن چڑھے تک قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ بعد میں حاجت مند لوگوں کی کاربرآری فرماتے۔ دوپہر کو کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا کرتے۔ نمازِ ظہر کے بعد نماز عصر تک نوافل میں مشغول رہتے۔ بعد فراغت کچھ دیر کے لئے حاضرین سے گفتگو فرما لیتے۔ نماز مغرب سے قبل درود شریف پڑھا کرتے۔ کچھ وقت اسی دوران طالبان خدا کی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب اکثر درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ مراقبہ کے لئے درگاہ قدم شریف پر بھی چلے جایا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی وفات ہفتہ کے دن پچھلے پہر دن میں ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء کو ہوئی اُس وقت عمر شریف تقریباً چالیس سال تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے اپنی والدہ ماجدہ اور دو بیویاں اور دو صغر سن بیٹے چھوڑے۔ آپ کی میراث دنیوی میں ایک گھوڑا، ایک دری، ایک روپیہ چاندی کا اور چند کتابیں تھیں۔ آپ کے مشہور خلیفہ حضرت مجدد

الف ثانیؒ تھے اور شیخ تاج الدین نارنولیؒ تھے۔ آپ صاحب تصنیف تھے اور شاعر بھی تھے تبرکاً یہاں آپ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

عشق آمد وشد چو خونم اندر رگ وپوست　　تاکرد مرا تہی وپُر کرد ز دوست
اجزاء وجود من ہمہ دوست گرفت　　نامی است زمن برمن وباقی ہمہ اوست

زبانم زیں تلفظ گرچہ بنداست　　سرم بیخود است صدایں کنداست
دل اندر شرم زجاں سرگرم ایں است　　کہ جاناں رحمۃ العالمینؐ است

اے خاکِ مدینہ در کجائی　　در دیدۂ من چسرا نیائی
اے مردم چشم دور بنیاں　　دے چشم وچراغ نور بنیاں

گر بحر رسد بہ تشنہ کامے　　سیرائی اوست ہم ز جامے

عمارات درگاہ حضرت باقی باللہؒ

احاطہ کے گرد چار دیواری ایک نیک دل تاجر محمد صدیق صندوق والے نے تعمیر کروائی تھی۔ اس سے قبل قبرستان کی زمین مجاوروں وغیرہ نے فروخت کر دی تھی۔ ایک چھوٹی مسجد، وضو خانہ اور چند کمرے اندرون چار دیواری بنے ہوئے ہیں۔ اور اچھی حالت میں ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی قبر شریف پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ مزار کا چبوترا پتھر کا ہے۔ موسم گرما میں سب پتھر تپش سے اتنے گرم ہو جاتے ہیں کہ پاؤں نہیں رکھا جاتا۔ لیکن حضرت کی کرامت ہے کہ آپ کی قبر کے ارد گرد والی تمام جگہ ٹھنڈی رہتی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار سے مشرق کی جانب ایک قبر چھوڑ کر دوسری قبر آپ کی والدہ محترمہ کی ہے۔ قریب ہی آستانہ عالیہ ہے آپ کے دونوں صاحبزادوں

یعنی خواجہ کلاںؒ اور خواجہ خورد کا۔ نیز اسی جگہ شاہ جی عرف نظام الدین احمد کا مرقد ہے۔ جن کا چھتہ (مکانات) چاوڑی بازار دہلی میں اب تک مشہور ہے۔ اُن کا بنا کردہ تالاب جو اجمیری دروازے کے متصل تھا۔ اب دکھائی نہیں دیتا۔

احاطہ باقی باللہ میں ملا جیون کی قبر بھی ہے جو اورنگ عالمگیر کے استاد تھے۔ نیز مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے استاد اور حافظ قاری عبدالعزیز شاہ ملقب بہ مقبول احمد قادری اور شاہ عبدالعادل نقشبندی اور دیگر اکابر کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی قبور بھی ہیں۔

یہاں پاکستانی زائر فاتحہ خوانی کرتے اور بعض نقشبندی احباب شجرہ نقشبندیہ بھی پڑھا کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی درگاہ میں کئی کتبہ جات ہیں جن کی ادبی اور تاریخی حیثیت ہے آپ بھی پڑھ کر مستفید ہو جائے۔

کتبہ اول جو پیش طاق پہ لکھا ہے وہ یوں ہے

سبحان اللہ

حمد اللہ خدائے ذوالجلال — سالِ تاریخش بہ خوش تقدیر شد
مدعا و مقصد کلیّ نصیب — حیرتِ دل خستہ لیں دلگیر شد
از در فیض ندائے شد بلند — مسجد کعبہ نما تعمیر شد

۱۲۱۹ھ

درگاہ کے جنوبی دروازہ پہ کندہ اشعار یہ ہیں۔

خواجہ باقی آں امام اولیاء — عارفِ باللہ اسرار نہفت
نکہت بستاں سرائے انبیاء
از نہالِ جعفری خوش گل شگفت — چونکہ بُد مشرب فنا اندر بقا
محو حق گشتہ زاسرار صفت — وقت بستہ زیں سرائے بے بقا
چوں ندائے ارجعی از حق شنفت — سال تاریخ وصالش خسروی
باقی باللہ نقشبند، وقت گفت — ۱۰۱۲ھ

مرقد کے سرہانے جو منقبتی کتبہ ہے۔
اس کا مضمون یہ ہے۔

قبلۂ ارباب معنی کعبہ اصحاب دیں — مظہر فیض الٰہی صاحب علم الیقیں
حامی دین نبیؐ اکمل امام المتقین — موردِ فضل گرامی آلِ ختم المرسلینؐ
کاشف اسرارِ مطلق واقف علم الیقیں — محوِ ذات اقدس و باللہ باقی بالیقیں
غوثِ اعظم عروۃ الوثقیٰ ز رب العالمین — قطب ارشادِ جہاں ہم معنی حق الیقین
کامل عالی طریقہ مہدیٔ راہ متیں — بحر عرفانِ الٰہی مقتدا العارفین
راضی و مرضی حق بر ذاتِ شانِ او مبیں — این کرامت ہست از محبوب رب العالمین
نور بے چوں بر جبینش تافت از حق المبیں — شد ز یمن نیتش روشن قلوب المومنین
کے توانم گفت مدح آں خلاصہ واصلیں — ہست ذات خواجہ باقی مرحمت العالمین
نعمت اللہ باقی بود باقی شد الیقیں — مرجع انس و ملک از فضل رب العالمین
خواجگی امکنہ شد مرشد آں شاہ دیں — لیک مشرب اولین و ہم بہار آخریں
چوں کمالش وصل دائم بود معنی دل نشیں — شد وصالِ غیب او آخر بعمر اربعین
داں ز ہجرت بعد الف اثنا عشر بودہ بنیں — از وفات قطب دوراں تکیہ گاہِ مسلمین
ہر کہ آید بر مزارش از سر صدیق و لقیں — حاجت اش گردد روا ہم مقصد دنیا و دیں
عاجز و عاصی بدرگاہش ہمی ساید جبیں — تا بیاید نظر رحمت ہم نجات یوم دیں
باد نازل رحمت رضوان رب العالمین — بر محمد خواجہ باقی تاج اولیائے مقبلیں

مُلّا جیون

مُلّا جیون کا اصل نام شیخ احمد تھا۔ اور یہ اپنے دور کے سر برآوردہ علماء میں سے تھے متبحر عالم ہوتے کے ساتھ بڑے زاہد متقی شخص تھے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے استاد تھے۔ مُلّا جیون کی سب سے بڑی خوبی ان کا انکسار تھا۔ علم کی روشنی پھیلانے میں آپ کو دیوانگی کی حد تک شغف تھا۔ وفات کے دن تک برابر درس دیتے رہے۔ مُلّا جیون نے قرآن حکیم کی تفسیر فارسی زبان میں لکھی تھی۔ اور یہ اپنے موضوع پر درسی کتاب تھی جو ساڑھے چھ سو سال کے طویل عہد اسلامی کے ہندوستان

میں کسی عالم نے لکھی ضمناً عرض ہے کہ برصغیر میں سب سے پہلی تفسیر قرآن (بزبان فارسی) مولانا علاء الدین بن احمد دہائمی (المتوفی ۸۳۵ھ ۱۴۳۱ء) نے لکھی تھی۔

ملا جیون کی وفات (۱۱۳۰ھ، ۱۷۱۷ء) میں ہوئی ان کی قبر نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہے اور اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

پچھلے مقالہ میں ہم نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمتہ کا ذکر خیر کیا تھا۔ جو برصغیر میں نقشبندی سلسلہ کے بانی مانے جاتے ہیں اور جن کے خلیفہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قیوم زمان ہوئے ہیں، اسی نسبت شریف سے ہم دہلی کے چند اکابر سلسلہ نقشبندیہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

دہلی کے چند بزرگان نقشبند

حضرت خواجہ بیرنگ (بے رنگ)

اپنے والد گرامی حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار کے نزدیک ہی مدفون ہیں خواجہ باقی باللہ صاحب کے مرید تھے اور تکمیل علوم باطنی وروحانی حضرت خواجہ حسام الدین نقشبندی سے کی تھی جو خود بھی حضرت باقی باللہ کے مرید تھے، خواجہ بیرنگ ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت خواجہ حافظ سعد اللہ رح

بیرون اجمیری گیٹ دہلی آپ کا مزار ہے۔ آپ کی وفات مورخہ ۱۱ شوال ۱۱۵۲ھ کو ہوئی تھی حضرت سعد اللہ حافظ قرآن تھے اور علم حدیث میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ فقر و قناعت میں آپ کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ حضرت شیخ محمد صدیق صاحب نقشبندی ابن حضرت شیخ محمد معصوم سرہندی کے مرید تھے۔ حضرت حافظ سعد اللہ صاحب کے کمالات روحانی اور احوال شریف کا تذکرہ

کئی ایک جگہوں پر اپنی تالیفات میں مرزا مظہر جاناںؒ نے کیا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ گلشن نقشبندیؒ

(المتوفی ۱۱۵۳ھ)

حضرت شاہ گلشن بڑے متقی اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، علوم مروجہ میں کمال حاصل تھا۔

نہایت ہی حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ آپ کی ذات جامع کمالات تھی۔ استغنا کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کچھ قبول نہ کرتے تھے آپ نے اپنی تمام عمر جامع مسجد دہلی میں گزار دی۔ پانی پیتے تو صرف مسجد کے حوض کا اور کھاتے تو سبزیوں کے پتے یا خشک پتے۔

خلقِ خدا کو آپ سے بہت فیض تھا دکھی لوگ اپنی حاجات لے کر آپ کی خدمت میں جاتے اور آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا فضل ان کے شامل حال ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالرشید صاحب مجددیؒ

(المتوفی ۱۱۵۵ھ)

آپ خواجہ محمد مراد کشمیریؒ کے بیٹے تھے اور اپنے والد محترم سے ہی نقشبندی مجددی سلسلہ میں بیعت تھے، شیخ عبدالرشید نے کافی عرصہ تک سرہند شریف (مشرقی پنجاب) میں قیام کیا اور حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کے فیوض روحانی سے مستفید ہوئے۔ حضرت عبدالاحد کو ان کی رفاقت پسند تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے دہلی مراجعت کی تو شیخ عبدالرشید صاحب ان کے ہمراہ تھے، شیخ عبدالاحد صاحب نے دہلی میں وفات پائی اور ان کی تدفین کے لئے دہلی سے سرہند لے جائی گئی۔ شیخ صاحب موصوف بھی میت کے ساتھ سرہند آئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد حج اور زیارتِ مدینہ منورہ کے لئے حجاز چلے گئے اور جب وہاں سے لوٹے تو دہلی میں سکونت پذیر ہوئے جہاں ۲۷ رجب ۱۱۵۵ھ میں آپ نے رحلت کی۔

ذکر حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ

آپ کے اسم و القاب اس طرح بیان کئے گئے ہیں حضرت شاہ شمس الدین۔ حبیب اللہ، مرزا مظہر جان جاناں۔

آپ کے والد کا نام مرزا جان تھا۔ اس مناسبت سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے نام جانِ جاناں رکھا اور مرزا جان کو مبارکباد کہی۔ یوں بھی بیٹا باپ کی جان ہی ہوتا ہے اس کنیت سے شدہ شدہ نام ہی جانِ جاناں مشہور ہوگیا۔ مرزا مظہر جان جاناں کا نسبتی سلسلہ جناب محمد حنیفؓ ابن حضرت علی مرتضیٰ سے ملتا ہے۔ مرزا صاحب کے جدِ امجد میر عبدالسبحان چشتی تھے۔ اور ان کی زوجہ وزیرِ مملکت اسد خاں کی بیٹی تھیں۔

مرزا جان جاناں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ عمر سولہ برس کی ہوئی تو شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ علم حدیث میں آپ کے استاد حاجی محمد افضل سیالکوٹی تھے۔ قرأت و قرآن مجید کی تفسیر حافظ عبدالرسول صاحب دہلوی سے جو شیخ عبدالخالق شوقی کے شاگرد رشید تھے۔ سے پڑھے باطنی علوم سے اول آپ حافظ سعداللہ اور محمد عابد صاحبان سے فیض یاب ہوئے۔ مرزا جان جاناں نے بیس برس کی عمر میں راہ سلوک میں قدم رکھا۔ آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت سید نور محمد بدایونی سے بیعت کی اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ طریقہ قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ کا خرقہ اجازت آپ کو حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ سے عنایت ہوا۔

حضرت مظہر جان جاناں بہت نازک مزاج اور نفیس طبیعت کے مالک تھے اور بہت عمدہ پوشاک زیب تن کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ مجاہد باللہ، عالم علم شریعت و طریقت و حقیقتِ معرفت تھے آپ کے علم و فضل اور شاعری کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ بڑے متواضع اور خلیق ہستی تھے چنانچہ اکثر ارباب علم آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی پٹھان کابل سے سفر کر کے دہلی آیا اور پتہ پوچھتا

حضرت مرزا جان جاناں کی حویلی جا پہنچا دیکھتا کیا ہے کہ مرزا صاحب حجام سے اپنی داڑھی منڈوا رہے ہیں۔ نووارد پٹھان کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا۔ کر اس کے تصور میں جس اہل اللہ اور صاحب علم کی تصویر تھی مرزا صاحب کا یہ عمل اس کے خلاف تھا وہ شخص سلام کرنے کے بعد گویا ہوا۔ جان جاناں موی تراشی!

مرزا صاحب نے جواباً کہا "بلے! موی تراشم دلے دِل کس رانمی خراشم"

یہ سن کر وہ سادہ دل پٹھان بولا کہ۔

دِل رسول اللہ ﷺ رامی خراشی "!

یہ سننا تھا کہ مرزا جان جاناں کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ نائی کو پرے ہٹا دیا۔ اور گلے میں لپٹا ہوا کپڑا دور پھینک دیا۔ اسی حالت میں اٹھے رقت طاری ہوگئی اور جسم کو لرزہ ہوا اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اندرون حویلی چلے گئے۔ اور اس واقعہ کے بعد انہوں نے کبھی اپنی ریش نہ ترشوائی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی کا وعظ بڑا پُر تاثیر ہوا کرتا تھا۔

مرزا جان جاناں فن سپاہ گری میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بیس شمشیر زنوں کا مقابلہ تن تنہا کر سکتے تھے۔ بڑے شجاع اور بلند حوصلہ تھے ایک مرتبہ ایک مست ہاتھی سامنے سے آتا دکھائی دیا لوگوں نے شور مچایا کہ بھاگ کر جان بچالیں۔ لیکن آپ نے میدان سے ڈر کر بھاگنا نامردی پر محمول کیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ میں آپ کو لے لیا۔ آپ نے نہایت پھرتی سے خنجر نکال کر اس کی سونڈ میں مارا۔ ہاتھی چیخا اور بھاگ نکلا اور آپ بڑی تسلی سے اپنے راستہ پر روانہ ہو گئے۔

آپ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۹۵ھ میں ایک غالی شیعہ نے دوسرے دو آدمیوں کی معیت میں رات کے وقت آپ کے گھر جاکر پستول سے حملہ کر دیا۔ یہ ساتویں محرم کا دن تھا اس زخم سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور تیسرے روز یعنی دس محرم کو شہید ہوگئے۔ آپ کا مزار محلہ چتلی قبر کے نواح میں واقع ہے۔ دروازے کی محراب پر یہ شعر کندہ شدہ ہے۔

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

آپ کے ممتاز خلیفہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی تھے۔ جن کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔

تصانیف

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید اعلیٰ پایہ کے شاعر اور ادیب تھے آپ کے ملفوظات اور مکتوبات تصوف کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اشعار کہتے تھے۔ آپ کا یہ مشہور شعر کسے یاد نہ ہوگا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آپ کے چند اشعار تبرکاً یہاں قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے پیش۔

ہر دم از یاراں ویریں یاد می آید مرا — کوہکن از آب شریں یاد می آید مرا
لالہ داغ دل چو می بینم گریباں می درم — دور آں دامن رنگین یاد می آید مرا
سرو چوں آہستہ می جنبد بہ تحریک نسیم — آں خرام ناز و تمکین یاد می آید مرا
وا شدہ گلہائے باغ از رشک داغم میکند — جوشش یاران رنگین یاد می آید مرا
نام برگ گل مبر مظہر کہ دل خوں می شود — ناخن پائے نگاریں یاد می آید مرا

غلام ستم و لطف و کرم بہائے من است — کسے کہ بندہ بخواند مرا خدائے من است
خدا نہ کردہ، برہمن اذیت کند فریاد — تو واقفی کہ چہ از نالہ مدعائے من است

جوشش زد ستی وچشم دلبراں مے خانہ شد — مست خاک بے پرستاں چرخ زد پیمانہ شد
مظہر خوش گوئے ما را آغاز و انجامش مپرس — گشت از خواب عدم بیدار و باز افسانہ شد

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ ابن سید عبداللطیف شاہؒ

جملہ آری بادب بندہ صفت حلقہ زنید
گرد این بارگہ عشق کہ سلطان این جاست

حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی درگاہ پر حاضری دینے کے بعد جو کیفیت لطائف قلب کی ہوتی ہے بیان سے باہر ہے آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت شاہ غلام علی کا سن ولادت اگرچہ مقامات مظہری میں ۱۱۵۸ھ لکھا ہے لیکن صحیح سن ۱۱۵۶ھ ہے آپ کے والد سید عبداللطیف شاہ حضرت ناصرالدین قادریؒ کے مرید تھے۔ اور بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے اکثر جنگل میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے اور مہینوں تک وہاں کے خودرو پتے اور سبزیوں پر قناعت فرماتے تھے روایت ہے کہ انہوں نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی زیارت کی جنہوں نے آپ کو ایک فرزند کی بشارت دی اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ جب کہ آپ کی والدہ نے کسی بزرگ کو دیکھا اور انہوں نے عبدالقادر نام تجویز کیا آپ کے چچا کو خواب میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ ہوا کہ نام عبداللہ اچھا ہے اسی سبب سے آپ کا اصل نام عبداللہ اور عرف غلام علی ہوا۔

حضرت کی ولادت قصبہ بٹالہ (مشرقی پنجاب) میں ہوئی تھی شاہ غلام علی جب تیرہ برس کے ہوئے تو آپ کے والد نے انہیں دہلی میں بلا لیا تاکہ اپنے مرشد یعنی حضرت شاہ ناصرالدین قادری دہلوی سے بیعت کرا دیں لیکن وہ ان کی آمد سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ آپ کے والد نے اجازت دے دی کہ جس سے چاہیں استفادہ لیں۔ اور بیعت کریں چنانچہ حضرت شاہ غلام علیؒ نے پہلے تو پانچ گرامی اولیائے وقت مقیم در دہلی سے استفادہ کیا اور پھر حضرت مظہر جانِ جاناں سے بیعت ہوئے۔

جن بزرگوں سے آپ نے استفادہ حاصل کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) حضرت

شاہ ضیاءاللہ صاحبؒ خلیفہ حضرت خواجہ محمد زبیر مجددیؒ (۲) حضرت شاہ عبدالعدل صاحبؒ خلیفہ حضرت خواجہ محمد زبیر مجددیؒ (۳) حضرت خواجہ میر درد دہلوی فرزند حضرت شاہ ناصرالدین دہلویؒ (۴) حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں چشتی دہلویؒ (۵) حضرت شاہ غلام سادات والد محترم جناب سید صابر علی شاہ دہلویؒ

سن ۱۱۸۰ھ میں بعمر ۲۲ سال شاہ غلام علی حضرت مظہر جانِ جاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا!

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سرزمین بود منظور آسمانے یافتم

بیعت سے مشرف ہونے کے بعد شاہ غلام علیؒ نے سالہا سال اپنے مرشد کی خدمت میں اوقات بسر کی اور زہد و مجاہدہ اور ریاضت بے حساب کی۔ عروج کمال اور مشاہدۂ جمال شاہد بے زوال اور مکاشفہ اور ترقیات فائقہ سے سرفراز ہوئے" یہاں تک کہ آپ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور صاحب ارشاد ہوئے۔ اپنے مرشد کی موجودگی میں بھی تلقین و ارشاد کا سلسلہ ان کی اجازت سے جاری کیا۔ حضرت مظہر جانِ جاناں کی شہادت (۱۱۹۵ھ) کے بعد آپ ان کے صاحب سجادہ ہوئے اور آپ کے مریدین سے ہزاروں آدمی باکمال ہوگئے ۔

غم زدگاں را بطرب دل کشائے   گم شدگاں را بکرم رہ نمائے

حضرت مولانا حاجی حافظ محمد حسین کیرانوی مجددی شاہ غلام علی کے خلفا میں سے ایک گرامی خلیفہ تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت موصوف کی خانقاہ گویا نیل گر کا ماٹ (برتن) تھا کسی رنگ کا آدمی حاضر خدمت ہوتا تو رنگین ہوکر نکلتا اور اپنا پرانا رنگ ڈھنگ سب بھول جاتا تھا۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ذکر شریف میں سرسید احمد خان مرحوم کے رشحات قلم کے اقتباسات یہاں نقل کئے جاتے ہیں کہ دوہرے تبرک کے مصداق ہیں "میرا کیا مقدور ہے کہ (حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ) کے کمالاتِ ظاہری اور

مقامات باطنی کا حال لکھ سکوں کیونکہ حالات آپ کے اس سے سوا ہیں جو بیان ہو سکیں اور مقامات اس سے بہت ہیں جو لکھنے میں آئیں۔ سبحان اللہ! علم اور عمل اور فضل و کمال تجرید و تجرد۔ حلم و کرم اور سخاوتِ اتم اور ایثار و انکسار آپ کی ذات پر ختم ہے جو کچھ آیا اور جس قدر ہوا سب تم اللہ پر صرف کیا اور کبھی کل کا غم نہ کیا۔ دن رات اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ذکر میں بسر کی اور دنیا و ما فیہا کی خبر نہ رکھی میں آپؒ کے کس کس کمال کا ذکر کروں۔ علم ایسا تھا کہ کاہے کو ہوتا ہے زُہد اور مجاہدہ ایسا کہ بیان اس کا نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ اور ورع اس درجہ پر کہ سوا اس سے ممکن نہیں۔ اور پھر اس پر عجز ویسا ہی۔ انکسار ویسا ہی۔ اتباع سُنت رسول اللہ اس درجہ پر کہ اچھے اچھے لوگ وہاں پر قدم نہ رکھ سکیں۔ آپؒ کی صحبت میں اس قدر فیض حاصل ہوتا کہ بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا.... آپؒ میرے اعتقاد کے بموجب اپنے پیر (حضرت جانِ جاناںؒ) پر بھی فوق لے گئے۔ سبحان اللہ کیا آزادی تھی کہ دنیا کا مطلق لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ کیا اطاعتِ سُنت تھی کہ سرمو بھی فرق نہ تھا۔ توکل اس درجہ پر تھا کہ کبھی کسی طرح کا خیال دل میں نہ آتا۔ امراء ملک اور خود بادشاہ آرزو رکھتے تھے کہ خانقاہ کے فقراء کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں۔ لیکن آپ نے ہرگز کبھی یہ منظور نہ فرمایا۔ ایک دفعہ نواب امیر الدولہ والئی ریاست ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقرر وظیفہ کی جس کے جواب میں آپ نے یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم — با میر خاں بگوئے کہ روزی مقرر است

حضرت کی خانقاہ میں کم از کم پانچ صد فقیر رہتے تھے ان سب کا روٹی کپڑا آپؒ کے ذمہ تھا اور باوجود یکہ کہیں سے کوئی پیسہ روپیہ مقرر نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ غیب الغیوب سے سب کام چلاتے تھے اس پر حضرت کی فیاضی اور سخاوت اس قدر تھی کہ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں لوٹایا۔ جو جس نے مانگا وہی دیا۔ جو چیز عمدہ اور تحفۃً آپ کے پاس آتی اسے فروخت کر کے حاصل شدہ رقم فقراء پر صرف کر دیا کرتے تھے لباس کھدر کا جو خانقاہ کے سب فقراء پہنتے تھے وہی آپؒ استعمال کیا کرتے تھے وہ

جو کھاتے وہ سب کھاتے وہی خوراک آپ کی تھی۔ بھلا غور کرو کہ بشر کی طاقت ہے کہ ایسی بات کر سکے کہ اگر کوئی عرض کرتا کہ حضرت آپ اپنے لئے تو بہ کپڑا لے لیجئے اور یہ آرام کی چیز بنا لیجئے تو آپ یہ قطعہ پڑھا کرتے ؎

خاک نشینی است سلیمانیم ننگ بود افسر سلطانیم
ہست بسے سال کہ می پوشمش کہنہ نشد جامۂ عریانیم

اور اگر کبھی کچھ اسباب اور دنیا کا ذکر آتا تو ارشاد فرماتے ؎

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں ہر چہ ما داریم زان ہم اکثری درکار نیست

سیرت اور معمولات

حضرت غلام علی صاحب کی زندگی نہایت سادہ تھی اور آپ خلقِ محمدی کا ایک کامل نمونہ تھے۔ علوم عقلی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علم فلسفہ و منطق، تفسیر کلام پاک، علم حدیث اور فقہ حنفیہ میں امام کا درجہ رکھتے تھے سرسید نے لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو مجمع علوم پیدا کیا تھا کہ ہر ایک علم ظاہری اور باطنی میں درجۂ کمال بہ انتہائے کمال حاصل تھا حضرت شاہ غلام علی حافظ قرآن تھے نماز فجر کے بعد دس پارے قرآنِ مجید کے ختم فرماتے اس کے بعد نماز اشراق کی ادائیگی سے قبل حاضرین کی معیت میں توجہ اور استغراق کا سلسلہ جاری رکھتے اور اشراق کے بعد حدیث شریف اور کلام مجید کی تفسیر کا درس دیا کرتے تھے جہاں کہیں رسولِ مقبول کا اسم شریف آتا تو آپ بے تاب ہو جایا کرتے اور اس بے تابی میں حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرتے اور پھر ظہر کی نماز کے بعد درس شروع ہو جاتا۔ نماز عصر اور مغرب کے درمیان حلقہ مریداں میں آپ ہر طالب کو علیحدہ علیحدہ توجہ دیتے کہ انہیں علو مدارج روحانی حاصل ہوں۔ آپ رات کے وقت بہت ہی کم سوتے اکثر اوقات شب بیداری فرماتے۔ آپ کبھی چارپائی پر نہیں سوئے۔ خانقاہ میں بوریا کا

فرش تھا اسی کے ایک سرے پر ایک مُصلّٰی پڑا رہتا تھا جس پر آپ دن رات بیٹھے رہتے اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے وہیں چمڑے کا ایک تکیہ پڑا رہتا جس پر غلبۂ نیند میں آپ چند ثانیئے سر رکھ کر آرام کر لیا کرتے تھے آپ میں درگذر اور معاف کرنے کی صفت بدرجہ اتم تھی۔ مریدوں اور ملنے والوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے اغماض آپ کا شیوہ تھا۔

فیض رسانی

سرسید احمد خاں نے لکھا ہے کہ شاہ غلام علی صاحب کی ذات فیض آیات سے تمام جہان میں فیض پھیلا اور دور دراز ممالک سے لوگ آکر بیعت کیا کرتے تھے لوگوں کا ہجوم آپ کی خدمت میں ٹڈی دل کی طرح چلا آتا تھا ۔

چو کعبہ قبلۂ حاجت شد از دیار بعید روند خلق بدیدارش از بسے فرسنگ

سرسید نے افغانستان روم، شام عراق اور مصر و چین، افریقہ وغیرہ کے لوگوں کو اپنی آنکھ سے آپ کی مجالس میں شریک دیکھا تھا ۔

کرامات

آپ کی کرامات کے ذکر کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے ان میں چند ایک کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ امرائے شاہی میں سے ایک شخص نے حضرت سے امداد چاہی کہ اس کے عہدے میں ترقی ہو جائے آپ نے فرمایا کہ تین روز لگاتار عشاء کی نماز کے بعد اللّٰہ الصمد کا ورد کر۔ اس شخص نے صرف ایک ہی رات یہ وظیفہ پڑھا اور صبح کو اسے تقرب شاہی حاصل ہوا ۔ وہ شخص حضرت کی خدمت میں اظہارِ تشکر کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے کہا کہ یہ برکت خداوند قدوس کے پاک نام کی تھی جو تو نے صدقِ دل سے پڑھا تھا ۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ کچھ عرصہ کے بعد کوئی سائل آپ کی خدمت میں آیا اور معروض ہوا کہ اسے ملازمت دلوا دیں حضرت نے اسی مقرب شاہ سے سفارش کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی اور حضرت کے فرستادہ سائل کا سلام تک قبول نہ کیا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ اس کا سلام بھی کوئی نہ لے گا۔

چنانچہ ... ہفتہ وہ معزول ہوکر ذلیل و خوار ہوا۔ اسی طرح حکیم رکن الدین خان حضرت غلام علی کی دعا سے وزیر ہوا اور رکن الدولہ کا خطاب پایا۔ حضرت نے ایک مرید کے واسطے کہا لیکن وزیر رکن الدین نے کچھ نہ کیا۔ آپ کو ناگوار گزرا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ موقوف ہوکر خانہ نشین ہوگیا۔

ایک بار موسم برسات میں دریائے جمنا زور پر تھا حضرت برائے تفریح طبع مسجد گھاٹ پر تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک کشتی دھار پر زور سے چلی جاتی ہے اور ڈوبنے کو ہے آپ نے اس کی جانب توجہ فرمائی تو معاً ساکن ہوگئی اور کنارہ پر آن لگی۔

ایک مرید کے ہاں اس کی بچی کی وفات کی تعزیت کے لئے گئے اور فرمایا کہ صبر کرو اللہ تعالےٰ تمہیں ایک فرزند دے گا۔ مریدہ نے عرض کیا کہ حضرت میں اور میرا شوہر دونوں ضعیف ہیں یہ خلاف عقل ہوگا کہ ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ قادر ہے اس کے کام کس کی عقل میں آتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نو ماہ بعد ان کے بیٹا تولد ہوا

ارشادات

فقیری میں چار چیزیں چاہئیں ۲ دو ٹوٹے ۲ دو ثابت۔ ہاتھ پاؤں تو ٹوٹے اور دین و یقین ثابت ــــ طریق نقشبندیہ چار چیز سے عبارت ہے ۱۔ بے خطرگی ۲۔ دوام حضوری ۳۔ جذبات۔ ۴۔ ارادت

بیعت کی یہ اقسام ہیں (۱) برائے توسل پیران کبار (۲) بمراد توبہ از عصیان ۳۔ برائے کسب نسبت

مرد چار قسم کے ہیں (۱) طالب دنیا نامرد ہے (۲) طالب عقبیٰ مرد (۳) طالب عقبیٰ و مولیٰ جوانمرد (۴) اور طالب مولیٰ فرد۔

طالب حق کو چاہیے کہ ایک لمحہ بھی یادِ مطلوب سے غافل نہ رہے۔

وفات

حضرت شاہ غلام علیؒ نے بتاریخ ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ بعد نماز اشراق انتقال کیا اور

حضرت جانِ جاناں کے پہلو میں دفن کئے گئے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ جو اشعار حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند المتوفی ۷۹۱ھ کے جنازہ پر پڑھے گئے تھے وہی ان کے جنازے پر پڑھے جائیں وہ اشعار یہ تھے

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو　　شیئ للہ از جمالِ روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما　　آفرین بر دست وبر بازوے تو

دیگر اشعار

بر سر خاکِ من بیا لمحہ زعشق بر سرا　　کز جذباتِ عشق تو نعرہ زخاک بر زنم

بعد از ہزار سال اگر بر لحدم گزر کنی　　مشک شود غبار من روح شود ہمہ تنم

حضرت کے جنازے کے ساتھ ہزاروں لوگ تھے جن پران اشعار کی کیفیت بقول سرسید دیدنی تھی لوگ ہائے ہائے پکارتے اور روتے چلے جارہے تھے۔

حضرت شاہ ابوسعید مجددی

دہلی کے جو بائیس خواجہ معروف ہیں ان میں حضرت شاہ ابوسعید کا نام نامی بھی آتا ہے حضرت موصوف کی پیدائش مورخہ ۳ ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ میں بمقام رام پور ہوئی شاہ ابوسعید کا نسبی سلسلہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی تک یوں منتہی ہوتا ہے کہ شاہ ابوسعید ابن حضرت صفی اللہ ابن حضرت شاہ عزیز القدر ابن حضرت محمد عیلے ابن خواجہ سیف الدین سرہندی ابن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی ابن حضرت شیخ احمد سرہندی۔

شاہ ابوسعید نے دس برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ فن قرأت قاری محمد نسیم سے سیکھا۔ علوم ظاہری کے اکتساب میں حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت مولانا سراج احمد دہلوی آپ کے اساتذہ تھے۔ حدیث شریف کی سند آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حاصل کی۔ شاہ ابوسعید علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل تھے اور عالم با عمل تھے آپ کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ کلام اللہ ایسی خوش الحانی اور کمال قرأت

سے تلاوت کیا کرتے تھے کہ لوگوں پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ دور دراز سے لوگ قرأت سننے کے لئے کھنچے آتے تھے شاہ ابوسعید بہت خوش نویس تھے اس فن میں آپ کے استاد کلو خان خوش نویس دہلوی تھے۔ شاہ ابوسعید اپنے قلم سے خط نسخ میں قرآن مجید لکھتے اور راہ للّٰہ پڑھنے والوں کے لئے وقف کر دیا کرتے تھے۔ شاہ ابوسعید نے ابتدائی روحانی تربیت اپنے والد محترم سے حاصل کی اور ان کے ارشاد کے موجب سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت مولانا شاہ درگاہیؒ سے بیعت ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ (حضرت شاہ درگاہی ۱۱۶۲ھ میں بمقام رامپور میں فوت ہوئے) کچھ عرصہ بعد شاہ ابوسعید کا میلان طبع قاضی ثناء اللّٰہ پانی پتی کی تحریک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی طرف ہوا اور آپ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے اور ان کی رحلت کے بعد مرشد کی مسند ارشاد پر متمکن ہوئے حضرت ابوسعید دہلوی کے متعلق سر سید احمد خان مرحوم نے لکھا ہے کہ آپ کی شکل و شمائل بہت نورانی تھی اور آپ کے صفات ذاتی اور کمالات باطنی اور ظاہری ایسے تھے جن کا کچھ حد و حساب نہیں حافظ کلام اللّٰہ اور عاشق رسول اللّٰہ تھے اتباع سنت نبوی بدرجہ کمال تھی اور اخلاق محمدیؐ اس وسعت سے تھا کہ ہر شخص ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ آپ کی جیسی شفقت و عنایت اس پر ہے کسی دوسرے فرد پر نہیں آپ کی تواضع اور سخاوت حد سے زیادہ تھی سر سید اپنا تجربہ یوں لکھتے ہیں کہ بے اختیار آپ کی صحبت میں رہنے کو دل چاہتا تھا اور جب تک بیٹھے رہتے کوئی شیطانی وسوسہ دل میں آنے نہ پاتا تھا۔ آپ کے اوقات بالکل وہی تھے جو ان کے مرشد حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے تھے۔ شاہ ابوسعید کی صحبت سے ہر شخص کو فیض ملتا تھا اور اجماع خاطر اور توجہ الی اللّٰہ حاصل ہوتی۔ مدتوں مخلوق خداوند تعالیٰ کو آپ کے فیض صحبت سے بلندی مراتب اور مدارج روحانی کا کمال حاصل ہوا۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی اکثر فرماتے تھے کہ مجھے مولانا شاہ ابوسعید پر فخر ہے "میں نے فقیری کی تو لیا، کسی کا کچھ غم نہیں رکھتا لیکن ابوسعید کو دیکھو کہ باوجود علائق دنیاوی کیسا حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے کہ گویا مطلق کچھ تعلق (دنیاوی) ہی نہیں رکھتا"۔

آپ جب حج اور زیارت مدینہ منورہ سے واپس وطن لوٹے تو ٹونک شہر (صوبہ راجستھان) میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۲۵۰ھ کا ہے اس روز عید الفطر تھی اور ہفتہ کا دن تھا آپ کی تاریخ وفات "نور اللہ مضجعہ" سے نکلتی ہے نیز ایک قطعہ تاریخ وفات آپ کے مرید مولانا خلیل اللہ دولی نے یوں کہا تھا۔

امام و مرشد ما، شاہ بوسعید سعید — بہ عید فطر چو شد واصل جناب خدا
دل شکستہ و مغموم گفت تاریخش — ستون محکم دین نبی فتادہ ز پا

حضرت کی نعش کو ٹونک سے دہلی لایا گیا اور خانقاہ جانِ جاناں میں حضرت شاہ غلام علی کے قریب دفن کئے گئے آپ کی علمی یادگار ہدایت الطالبین ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید کے بڑے صاحبزادے حضرت احمد سعید مجددی اور دوسرے بیٹے شاہ عبد الغنی تھے ان دونوں نے چراغ مجددیہ نقشبندیہ کی ضو ریزی سے ایک عالم کو منور کیا ان حضرات کے مختصر حالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ احمد سعیدؒ

آپ ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت "مظہر یزداں" سے نکلتی ہے آپ حافظ قرآن پاک تھے اور علوم حدیث و فقہ اور تفسیر کلام پاک میں کامل جانے جاتے تھے دلی میں آپ کا درجہ مفتی اعظم کا تھا کیونکہ ہر فتویٰ آپ کی مہر سے مسجل کیا جاتا تھا۔ شاہ احمد سعیدؒ نے فیوض باطنی اپنے والد گرامی جناب حضرت شاہ ابو سعید سے حاصل کئے اور ان سے خلافت بھی پائی نیز شاہ احمد سعید کو حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے بھی شرف بیعت تھا۔ اور آپ کو ان سے بھی خرقۂ خلافت عطا ہوا تھا اپنے والد محترم کی رحلت کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے آپؒ نے خانقاہ شریف میں درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا سینکڑوں مرد خدا آپ کی توجہ سے مدارج اعلیٰ کو پہنچے ۱۸۵۷ء میں آپ نے دہلی سے ہجرت کی اور مدینہ منورہ جا پہنچے کہ جہاں آپ مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ میں

واصل حق ہوئے آپ جنت البقیع میں حضرت سیدنا عثمان غنی کے مرقد منور کے قریب دفن ہوئے۔

حضرت شاہ عبد الغنیؒ ابن حضرت شاہ ابو سعیدؒ

آپ کی ولادت بروز ہفتہ ماہ شعبان ۱۲۳۴ھ میں بمقام دہلی ہوئی آپ کم سن ہی تھے کہ لیطور (؟) احسن حضرت شاہ غلام علی صاحب آپ کو روحانی توجہ دیا کرتے تھے حضرت کے والد یعنی شاہ ابو سعید کے انتقال کے بعد شاہ عبد الغنی نے فیوض روحانی جناب مرزا شاہ غفور بیگ جو حضرت شاہ غلام علی کے اعاظم خلفاء میں سے تھے سے حاصل کئے شاہ عبد الغنی کبھی حافظ کلام اللہ اور عالم احادیث رسول اللہ سے تھے سنت پر اس درجہ کاربند تھے کہ بار کہ باید و شاید کوئی معصر ہوگا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ امر سنت کا ترک آپ کو گوارا نہ تھا۔ تقویٰ اور زہد اس درجہ کا تھا کہ آپ پھل نہ کھاتے تھے کیونکہ جو طریق لنگوٹ یا بیع و شراء بعض بعض پھلوں کا مروج تھا وہ از روئے شریعت آپ کے نزدیک درست نہ تھا۔ سر سید احمد خان نے آپ کو فنا فی السنت اور محو فی الشریعت شہسوار میدان طریقت اور ذات فیض آیات لکھا ہے۔

وفات آپ کی ۱۲۹۶ھ میں ہوئی اور آپ مدینہ منورہ میں حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرقد منور کے قریب دفن کئے گئے۔

دہلی میں محلہ چتلی قبر کے ساتھ شاہ ابو الخیر روڈ ہے جہاں خانقاہ شریف نقشبندیہ مجددیہ واقع ہے۔ مجددی بزرگوں میں آج کل حضرت ابو زید صاحب بقید حیات ہیں حضرت شاہ احمد سعید کے دوسرے فرزند شاہ محمد عمر کے فرزند شاہ ابو الخیر تھے جن کی ولادت خانقاہ شریف میں ۱۲۷۲ھ میں دہلی

حضرت شاہ محمد آفاق

دہلی سبزی منڈی سے متصل علاقہ مغلپورہ کہلاتا ہے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد کی

پشت پر ایک احاطہ میں حضرت شاہ آفاق ابدی نیند سوتے ہیں۔ حضرت شاہ آفاق بھی دلی کے بائیس خواجگان میں شمار ہوتے ہیں ان حضرتؒ کا سلسلہ نسبت چھ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے شاہ آفاق سنہ ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے حضرت خواجہ ضیاء الدین نقشبندی دہلوی سے بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا اور ان کے انتقال کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے حضرت شاہ آفاق کی نسبت باطنی بہت قوی تھی اور مقامات درویشی بہت صاف تھے آپ کے کمالات ۔ مجاہدہ، زہد مشہور عالم تھے آپ کی طبیعت میں مسکینی بہت تھی۔ حضرت شاہ آفاق کے مریدوں کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں میں تھی جیسا کہ وقائع نگاروں نے لکھا ہے لیکن آپ کے دو خلفاء بہت معروف ہوئے ایک تو شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور دوسرے شاہ نصیر الدین دہلوی جو حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسہ تھے اور مولانا محمد اسحاق دہلوی کے داماد تھے حضرت شاہ آفاق کے والد جناب احسان اللہ مجددی ابن شیخ محمد اظہر مجددی کو اورنگ زیب عالمگیر نے نواب ظہیر الدین خان کا خطاب دیا تھا۔ شاہ آفاق نے دنیاوی امور سے لاتعلق ہو کر فقیری اختیار کر لی تھی۔ کسی منصب یا دنیا خواہی کے لئے آپ کبھی کسی دنیا دار کے دروازہ پر نہیں گئے حضرت شاہ آفاق کی رحلت بروز چہار شنبہ مورخہ ۱۰ محرم سنہ ۱۲۵۱ھ کو ہوئی آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو اسی جگہ دفن کیا گیا تھا جہاں آپ کے دادا پیر حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی کی میت کو غسل دیا گیا تھا۔

حضرت شاہ آفاق کی ایک نواسی بی بی گیتی آرا حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی کی زوجہ تھیں۔ حضرت شاہ آفاق کا قطعہ تاریخ وفات کا مضمون یہ ہے

چوں جناب شاہ آفاقؒ از جہاں — کرد رحلت سوئے جنات نعیم
گفت سال رحلتش خیر حزیں — خلد را ماوائے او کن اے کریم

دوسرا مادہ تاریخ وفات خواجہ علاؤالدین احمد کے فرزند خواجہ بہاؤالدین احمد صاحب نے یوں موزوں کیا تھا

ازسر یاس گفت اہل جہاں شاہ آفاق رفت از دنیا — سنہ ۱۲۵۱ھ

حضرت حاجیؒ علاؤالدین احمد

آپ کا سلسلہ نسبت مشہور ولی اللہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی سے ملتا ہے بچپن سے ہی درویشی کی طرف دھیان تھا نہایت پابند صوم صلوٰۃ تھے توکل علی اللہ اور عشق رسول اللہ میں فرد تھےؐ۔ سولہ برس کی عمر میں حضرت شاہ آفاق سے بیعت ہوئے اور کمال زہد و مجاہدات کئے عالم جوانی میں حج کیا اور روضۂ رسول مقبول کی زیارت سے مشرف ہوئے ہر وقت حضرت شاہ آفاق کی خدمت میں رہتے اور ان کی خدمت کو سعادت جانتے تھے۔ تمام عمر فقیری میں صرف کی اور دنیاداری سے کوئی سروکار نہ رکھا حضرت شاہ آفاق کے سجادہ نشین اور خلیفہ تھے۔

شاہ محمدؒ فرہادؒ

آپ دہلی میں پیدا ہوئے زندگی کا بیشتر حصہ برہان پور میں گذارا جہاں آپ کے والد صوبہ دار تھے حضرت سید دوست محمد کے مرید تھے مرشد کے فرمان پر برہان پور سے دہلی چلے آئے اور ان کی وفات کے بعد رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ نے مورخہ ۲۵ رجمادی الثانی ۱۱۳۵ھ کو وصال فرمایا۔ مزار دہلی میں ہے آپ کی مجالس میں جنات بھی حاضر ہوا کرتے تھے آپ پر استغراق غالب رہتا تھا اور اکثر اوقات خوراک و پوشاک سے بھی بے خبر رہتے تھے۔ دہلی کے ۲۲ خواجگان میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شمس الدین ابن محمد یحییٰ

آپ بھی دہلی کے بائیس خواجگان میں سے ایک ہیں۔ آپ نے مولانا ظہیر الدین سے "بزودی" پڑھی۔ علوم اصول۔ فقہ، تفسیر اور حدیث میں درجہ فضیلت رکھتے تھے بہت سے علمائے شہر آپ کے شاگرد تھے اور علوم ظاہری کی سند اور علوم دینی کی تحقیق آپ کی نسبت سے منسوب کرتے تھے آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید

تھے اور خرقہ خلافت یافتہ تھے۔ حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی نے آپ سے "یزدی" پڑھی تھی۔ آپ کو سماع کا شوق تھا۔ تمام عمر مجرّد رہے۔ زندگی بھر عبادات و مجاہدات میں مشغول رہے۔ مرید کم لوگوں کو ہی کرتے تھے جو فتوحات آتیں وہ فی الفور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے آپ کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی حضرت نظام الدین اولیاء کے آستانہ کے قریب جائے مدفن ہے۔

حضرت مولانا علاؤالدین نیلیؒ

آپ حافظ قرآن تھے اور بہت اچھے قاری تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال رکھتے تھے حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور ان کی سرکار سے خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے آپ کی قرأت اور خوش الحانی سے اکثر طیور بھی گر کر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ محبوب الٰہی کی مسجد کی امامت آپ کے سپرد تھی آپ نے کسی کو مرید نہیں کیا اگرچہ صاحب اجازت تھے عمر کے آخری سالوں میں تمام کتب کو چھوڑ کر صرف "افضل الفوائد" جو محبوب الٰہی کے ملفوظات پر مشتمل ہے پڑھا کرتے تھے آپ کا وصال ۷۶۲ھ میں ہوا۔ آستانہ محبوب الٰہی کے قریب ہی مدفون ہیں۔

حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی ابن حاجی شیخ نوراللہ مہندس

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے آپ ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے شیخ ابوالرضا سے دینی علوم کی تکمیل کی اور شیخ ابوالفتح قادری سے علوم باطنی حاصل کرنے میں کوشاں رہے آپ کو نسبت تلمیذ حضرت شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلول بن کبیر محمد بن علی الصدیق برہان پوری سے حاصل تھی ۱۱۰۱ھ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری سے شرف یاب ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت شیخ یحییٰ مدنی سے بیعت کی اور

چند روز بعد قطبیت ملی۔

واپسی پر دہلی میں درس وتدریس اور رشد و ہدایتِ خلق میں عمرِ عزیز صرف کی ہزاروں بندگانِ خدا آپ سے فیض یاب ہوئے آپ بڑے لائق انجینئر بھی تھے۔ آپ کو بظاہر قلت معاش تھی مگر دل غنی تھا۔ فرخ سیر بادشاہ نے آپ کو مکان اور وظیفہ دینے کی ہر چند تمنا کی لیکن آپ نے ہمیشہ انکار کیا اور ڈھائی روپیہ ماہوار جو کرایہ مکان ذاتی سے ملتا تھا اسی میں تنگی ترشی سے بسر کرتے تھے۔

آپ کی تصانیف کثیر ہیں جن میں سواء السبیل۔ تسنیم۔ عشرہ کاملہ تفسیر کلیمی کشکول، مرقعۂ کلیمی، ردّ روافض مشہور ہیں۔

آپ کا صاحبزادہ محمد غوث حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں سے بیعت تھا

حضرت کلیم اللہ کے خاص خلفاء میں مولانا نظام الدین اورنگ آبادی۔ حضرت محمد ہاشم۔ مولانا ضیاء الدین شاہ، مولانا شاہ جمال اور خواجہ یوسف تھے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کا وصال محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ۲۴ ربیع الاوّل ۱۱۴۲ھ (مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۷۲۹ء) میں ہوا۔

حضرت نے لکھا ہے کہ نفلوں کے بعد تنہا گوشہ میں بیٹھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر سو مرتبہ یارب یارب کہے مراد پوری ہوگی۔ اور اگر ایک ہزار بار کہے تو کامیابی میں کوئی شک نہیں۔

حاجت روائی کے لئے اللہ اکبر کہنا بہت مفید ہے لیکن سو بار سے کم نہ کہنا چاہیے۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مزار جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان واقع ہے۔ مزار کے بالائی چبوترہ کے شمال میں یہ تاریخ کندہ ہے۔

فضل و کمال خویش بود   مرہم قلب ریش بود
سال وصالش گفتہ ہاتف   قطبِ زمانہ خویش بود

۱۱۴۲ھ

یہاں یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ حضرت کلیم اللہ کے والد محترم شیخ نور اللہ مہندس نے جامع مسجد دہلی کے خوش خط کتبات اپنے قلم سے لکھے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے پسر تھے آپ کا نام عبدالعزیز اور تاریخی نام غلام حلیم رکھا گیا۔ آپ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کی آغوش میں علوم ظاہری و باطنی پڑھے سولہ برس کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے آپ کے اوصاف اور کمال تبحر علمی اور تقویٰ و تقدس حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتی۔ آپ جملہ علوم متداولہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دلی کیا بلکہ ہندوستان بھر میں اس جامعیت کا کوئی عالم نہ تھا۔ آپ کے ملکہ کا یہ حال تھا کہ اکثر لمبی لمبی عبارتیں کتب معتبرہ کی اپنے حافظے پر سے لکھوا دیتے تھے اور جب وہ کتابیں دستیاب ہو جاتی تھیں اور ان سے ملا کر عبارت کو دیکھا جاتا تھا تو بال بھر فرق نہ نکلتا تھا۔ ہفتے میں دو مرتبہ مجلس وعظ ہوا کرتی تھی جس میں سامعین کثرت سے شرکت کرتے تھے۔ عربی اور فارسی کی نظم و نثر پر قدرت کامل تھی۔ نہایت فصیح و بلیغ عبارت قلم برداشتہ لکھتے تھے۔

آپ کے بہت سے شاگرد تھے آپ سے سند فیوض ظاہری و باطنی باعث فخر سمجھی جاتی تھی آپ کے ممتاز شاگردوں میں آپ کے بھائی شاہ رفیع الدین، آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق، مفتی صدر الدین مولانا رشید الدین خاں، حضرت شاہ غلام علی آپ کے داماد مولانا عبدالحئی آپ کے بھتیجا مولوی محمد اسماعیل مولانا میر محبوب علی دہلوی اور مولوی حسن علی لکھنوی تھے۔

آپ کے نرینہ اولاد نہ تھی تین بیٹیاں تھیں جو آپ کی حیات میں فوت ہوگئیں۔

آپ کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں۔

عجالۂ نافعہ اصول حدیث، بستان المحدثین، مجموعہ خمسہ رسائل، شرح میزان المنطق رسالہ فضائل خلفاء اربعہ، رسالہ تحفہ اثنا عشری، تفسیر فتح العزیز، رسالہ غناء، رسالہ

بیع کنیزان، رسالہ وسیلۂ نجات، رسالہ تفضیل، رسالہ اصول مذہب ابی خلیفہ، رسالہ معاد جسمانی۔

شاہ عبدالعزیز کے فتوے مشہور ہیں اور آپ کے مکتوبات مختلف مسائل کا حل پیش کرتے ہیں آپ کی وفات مورخہ ۷ شوال بروز یک شنبہ ۱۲۳۹ھ طلوع آفتاب کے وقت ہوئی۔ اپنے والد کے پہلو میں (قبرستان مہندیاں) میں دفن ہیں۔

حضرت مولانا فخرالدین فخرجہاں ملقب بہ محب النبیؒ

آپ ۱۱۲۶ھ میں بمقام اورنگ آباد (دکن) پیدا ہوئے آپ کے والد محترم حضرت نظام الدین تھے جو حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید تھے آپ نے صغر سنی میں اپنے والد سے بیعت کی اور علوم مروجہ میں کمال حاصل کیا۔ آپ بہت عابد و زاہد تھے تین سال تک نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کی ملازمت میں بطور سپہ سالار خدمت انجام دی ۱۱۶۰ھ میں دہلی چلے آئے۔ یاد رہے کہ بواسطہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ آپ کی نسبی نسبت حضرت صدیق اکبرؓ تک منتہی ہوتی ہے آپ صاحب قلم بھی تھے آپ کی علمی یادگاروں میں فخرالحسن، عقائد نظامیہ، سیرت محمدیہ، عین الیقین اور رقعات مرشدی معروف ہیں آپ کی صلبی اولاد میں ایک بیٹا غلام قطب الدین تھا ۷۳ برس کی عمر میں واصل حق ہوئے آپ کا مرقد قطب صاحب (مہرولی) میں مرجع خلائق ہے بہادر شاہ ظفر کو حضرت سے بہت عقیدت تھی

آپ کے مشہور خلفاء حضرت خواجہ نور محمد مہاروی، حضرت مولانا میر ضیاء الدین حضرت مولوی خدا بخش۔ نواب غازی الدین خاں، مولوی محمد غوث، شاہ روح اللہ۔ شاہ قمرالدین اور حضرت محمد غوث ہیں۔

مرقد شیخ صدرالدین حکیم

دہلی میں زیر قلعہ علائی آپ کا مرقد ہے جس پر اب کتبہ نہیں ہے، شیخ صدرالدین خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے منظور نظر تھے آپ کے والد سوداگر تھے اور نظام الدین محبوب الٰہی سے ارادت

رکھتے تھے بڑھاپا آ گیا لیکن اولاد سے محروم تھے اور اس وجہ سے اکثر رنجیدہ رہتے تھے ایک روز حضرت محبوب الٰہیؒ کی حالت کے وقت حاضر تھے انہوں نے اپنی پشت مبارک ان کی پشت سے ملائی اور فرزند کی بشارت دی چونکہ ان کا اعتقاد خدمت پیر سے بہت درست تھا بقصد استیلائے زوجہ کے پاس گئے خدا تعالےٰ نے ان کو فرزند کا امیدوار کیا جب صدرالدین پیدا ہوئے یہ ان کو محبوب الٰہی کی خدمت میں لے گئے حضرت نے اپنے جبّہ سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر صدرالدین کے لئے کرتا سِیا اور بچہ کو حضرت نصیرالدین کی گود میں دے دیا اور حاضرین کو صدرالدین کی عظمت شان اور بزرگی مرتبہ سے خبر دی۔ صدرالدین فن طب میں مہارت تامہ رکھتے تھے حقائق و معارف پر ان کی ایک تصنیف گرامی "صحائف" موجود ہے۔ ایک دفعہ حکیم صدرالدین کو پریاں علاج کے واسطے لے گئیں کہ ان میں سے کوئی بیمار تھا جب آپ کے علاج سے بیمار کو شفا ہو گئی تو ایک پری نے آپ کو ایک خط لکھ کر دیا اور کہا کہ فلاں کوچہ میں جو کتا پڑا رہتا ہے اس کو یہ پرچہ دکھا دیں۔ حضرت نے ایسا ہی کیا وہ کتا خط دیکھ کر ایک طرف کو چلا اور ایک جگہ کھڑا ہو کر زمین کھودنے لگا وہاں جو خزانہ دفن تھا اس کا نشان بتایا چونکہ درویش عالی ہمت ہوتے ہیں اس وجہ سے حکیم صاحب کو خزانہ کی طرف کچھ التفات نہ ہوا

درگاہ سیّد حسن رسول نماؒ

قطب روڈ پہاڑ گنج سے ذرا آگے بڑھیں تو یہ درگاہ نظر پڑتی ہے آپ اولیائے کبار میں سے تھے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں انہیں ایسا تقرب حاصل تھا کہ جس کو چاہتے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے اسی وجہ سے لقب رسول نما مشہور ہوا آپ کی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی لوح مزار پر یہ شعر کندہ ہے

حسنؒ رسولؐ نما افتخار آل حسینؓ
اویس قرنیؓ ثانی و ثالثِ حسنینؓ

مذکورہ درگاہ سے نصف میل فاصلہ پر حضرت خدا نما (م ۱۱۰۶ھ) کا مرقد ہے اور ان سے آگے حضرت نور نماؒ کا مدفن ہے ایک اور باکرامت بزرگ حضرت جہاں نما کا مزار ہے ان تینوں بزرگوں کے تفصیلی حالات نہیں ملے۔

صوفی سرمد کا مزار (م سنہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹-۶۰ء)

صوفی سرمد پہلے یہودی المذہب تھے اور تجارت ان کا مشغلہ تھا۔ دہلی آکر مشرف بہ اسلام ہوئے عشق مجازی کے راستے ہی عشق حقیقی کی منزل میں داخل ہوئے اور ہمہ وقت اسی کی کیفیت میں ڈوبے رہتے تھے حتیٰ کہ اپنے تن من دھن کی سدھ بدھ بھی نہ رہی عشق کی وارفتگی نے ان کے جسم پر پیرہن کا ایک تار بھی باقی نہ رہنے دیا فنافی العشق ہونے کا یہ عالم ہوگیا کہ ہر شکل اور شئے میں اسی معشوق حقیقی کا جلوہ دکھائی دیتا تھا اپنے قاتل جلاد کو دیکھ کر مسکرا دیئے اور کہا کہ "فدائے تو شوم۔ بیا بیا! بہ ہر لباسے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم" اپنا سر دے کر عشق بازی کا آخری سودا بھی چکا لیا۔ سرمد کی ایک رباعی جس کی بنا پر اورنگ زیب عالمگیر نے اسے قتل کرایا یہ تھی:۔

مشہور شدی بہ دلربائی ہمہ جا — لے مثل شدی در آشنائی ہمہ جا

من عاشق ایں طور توام می بینم — خود را، نہ نمائی، و نمائی ہمہ جا

(تو اپنے حسن و محبت کے لیے زمانہ بھر میں مشہور ہے میں تیری اس ادا پر فدا ہوں کہ اگرچہ تو خود کو ہر جگہ چھپاتا ہے پھر بھی ہر شئے سے تیرا جلوہ عیاں ہے)

مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) نے سرمد شہید کے عنوان سے باقاعدہ مقالہ تحریر کیا تھا۔ مزار ابوالکلام آزاد سرمد کے مزار کے قریب ہی واقع ہے سنگ مرمر کی چوکور چھتری قبر کے اوپر بنی ہوئی ہے۔ ابوالکلام آزاد عالم تفسیر قرآن مجید تھے اور بلند پایہ ادیب تھے انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بھی رہے ہندوستان کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا وفات سے قبل حکومت ہند کے وزیر تعلیم تھے

سید خواجہ ناصر وزیر عندلیب صحیح النسب سید تھے آپ شاہ سعد اللہ عرف شاہ گلشن کے خلیفہ تھے آپ کا شعری مجموعہ نالۂ عندلیب ہے

حضرت خواجہ میر درد آپ کے بیٹے تھے ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی ظاہری اور باطنی علوم کے خزانہ تھے نالۂ عندلیب کی مبسوط شرح علم الکتاب کے نام سے لکھی نالۂ درد، آہ سرد، درد دل، شمع محفل وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف مزار اب تک موجود ہے۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق (م ۱۲۷۱ھ) آخری مغلیہ بادشاہ بہادر شاہ

ظفر کے استاد تھے۔ درگاہ قدم شریف کے قریب قبرستان تکیہ تکو میں دفن ہوئے اب یہ جگہ آبادی میں آگئی ہے، مزار شکست وریخت سے دوچار ہے۔

حکیم مومن خان مومن ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی، اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ طبابت اور علم نجوم میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے احاطہ قبور شاہ ولی اللہ (مہندیاں) میں دفن ہیں۔

خان بہادر شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ محمد نذیر احمد المعروف ڈپٹی نذیر احمد صاحب علم و فضل تھے انہوں نے تعزیرات ہند کا اردو ترجمہ کیا اور کلام مجید کا بھی سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ کتب کثیرہ کے مصنف تھے ۱۳۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ دہلی میں آسودۂ خاک ہیں۔

مزار ہرے بھرے صاحب

جامع مسجد دہلی کے مشرقی دروازے کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر کسی قدر جانب شمال لب سڑک صوفی سرمد کی سرخ رنگ قبر کے کٹہرے کے اندر ہرے بھرے صاحب کی قبر ہے ان کے سرہانے ہرے رنگ کے چوبی کٹہرے میں ایک چبوترہ کے اوپر یہ قبر ہے آپ کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

سینہ بہ سینہ روایت یہ ہے کہ آپ سرمد کے مرشد تھے اور ان کا وطن سبزوار تھا جہاں سے وہ ۱۰۶۵ھ میں بعہد شاہ جہاں بادشاہ دہلی آکر مقیم ہو گئے تھے۔

زینت المساجد

یہ خوب صورت مسجد لال قلعہ کے جنوبی رخ دریائے جمنا کے کنارے بنی ہوئی ہے۔ اسے شہزادی زینت النساء بیگم نے بنوایا تھا۔ مسجد کا نمونہ جامع مسجد دہلی جیسا ہے اندرون صحن زینت النساء کی قبر بھی تھی جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا اس کی قبر کے کتبہ کا شعر البتہ تاریخ کی کتابوں میں تحریر ہے۔

مونس ما در لحد۔ فضلِ خدا تنہا بس است
سایۂ از ابر رحمت، قبر پوش ما بس است

مہندیاں

یہ خطّہ پاک مولانا آزاد میڈیکل کالج کے قریب واقع ہے اس قبرستان میں شاہ ولی اللہ کے تمام اہل خاندان مدفون ہیں، شاہ عبدالغنی کے علاوہ شاہ رفیع الدین کے سب بیٹے اور شاہ اسماعیل کے بڑے بیٹے مولوی محمد عمر، شاہ ولی اللہ کی والدہ، والد خود شاہ ولی اللہ اوران کے صاحبزادگان یہیں محو خواب ہیں حضرت عبدالعزیز شکر بارؒ کا مرقد بھی اسی احاطہ میں ہے آپ شاہ عبدالرحیم کے ننھیالی اجداد میں سے تھے۔ شاہ رفیع الدین دہلوی کے چھ پسر تھے مولوی مخصوص اللہ، مولوی موسیٰ مولوی مصطفےٰ وغیرہ ان میں کسی کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی شاہ رفیع الدین کی ایک بیٹی بی بی امۃ اللہ کے دو بیٹے تھے سید ناصر الدین اور سید نصیر الدین آخر الذکر مولانا محمد اسحاق کے داماد تھے جو مولانا نصیر الدین مجاہد کے نام سے مشہور ہوئے آگے ان کی اولاد نہیں چلی سید ناصر الدین کے بیٹے سید معزالدین تھے جن کے پسر سید ظہیر الدین احمد تھے، قبرستان مہندیاں میں حکیم مومن خاںؔ مومن بھی آسودۂ خاک ہیں۔

ظفر محل

سلطنت مغلیہ کے ڈوبتے ہوئے آفتاب کی آخری کرن جو ظفر محل کے روپ میں مجسم ہوگئی تھی بہادر شاہ ظفر کی تعمیر کردہ ہے۔ آج یہ عمارت اپنے بانی کی غریب الوطنی اور حسرت ناک موت پر نوحہ کناں ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار شریف کے زیر سایہ ایک کونہ میں واقع ہے۔

جامع مسجد دہلی

دنیا بھر کی حسین مساجد میں سے ایک ہے عمارت کی بنا ۱۰ شوال ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۶۵۰ء میں ہوئی۔ عمارت نواب سعد اللہ خان وزیر اور فضل خاں، خان ساماں کی زیرنگرانی تعمیر ہوئی۔ مسجد کی خشتِ اول خود شاہ جہاں بادشاہ نے رکھی کیونکہ اس کے علاوہ کوئی ایسا فرد نہ تھا جس کی نماز تہجد اور تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوئی ہو لکھا ہے کہ چھ ہزار راج مزدوروں اور سنگ تراشوں نے عرصہ چھ سال میں عمارت مکمل کی۔ دس لاکھ روپیہ صرف

ہوا جس میں پتھر کی قیمت شامل نہیں۔ یہ پتھر راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کی نذر کیا تھا مسجد کے تین عالی شان دروازے مشرق، شمال اور جنوب میں ہیں اور تینوں طرف سنگِ سرخ کی لمبی لمبی اور بڑی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ شمالی دروازے کے محاذ میں ۳۹ سیڑھیاں ہیں مسجد کا مشرقی دروازہ جو بادشاہ کی آمد و رفت کے لئے مخصوص تھا اس کی ۳۵ سیڑھیاں ہیں۔ چبوترہ مسجد کے مغرب طرف مسجد کی اصل عمارت ہے جس کے باقی تین اطراف میں کشادہ دالان بنے ہوئے ہیں اور انہی میں ہر ایک ایک دروازہ ہے جن میں سے لال قلعہ کی طرف کا دروازہ بند رہتا ہے مسجد کے تین کمرک نما گنبد ہیں جن پر ایک ایک پٹی سنگِ موسیٰ کی اور ایک ایک سنگ سرخ کی پڑی ہوئی ہے اور اوپر سنہری کلس ہیں۔ یہ گنبد لمبائی میں ۹۰ گز اور عرض میں ۳۰ گز ہیں۔ مسجد کے دو نہایت بلند اور خوب صورت مینار سرخ پتھر کے ہیں جن پر کھڑی پٹیاں سنگِ مرمر کی ہیں ان کی بلندی ۱۳۰ فٹ اور اندر چکردار زینہ ہے جس میں ۱۳۰ سیڑھیاں ہیں۔ مینار کے تین کھنڈ ہیں۔ ہر کھنڈ کے گرد کھلا ہوا برآمدہ ہے۔ چوٹی پر کی برجی بارہ دری ہے۔ مسجد کے عقب میں اور چار چھوٹی چھوٹی برجی دار میناریں ہیں۔ مسجد کے بڑی بڑی محرابوں کے سات در ہیں، مسجد کے اجارے میں تمام تر سنگِ مرمر لگا ہوا ہے پیش دالان میں گیارہ در ہیں۔ دالان کے دروازہ کی محراب ایک دروازے کی طرح چوڑی اور بلند ہے اس کے دونوں جانب پتلی پتلی ہشت پہلو برجیاں ہیں ان دروں کی پیشانی پر سنگِ مرمر کی تختیاں چار فٹ لمبی اور ۲½ فٹ چوڑی ہیں جن پر سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کے کتبے ہیں ان کتبوں میں تعمیر مسجد کے حالات اور عہد شاہ جہانی کے برکات کندہ ہیں۔

چاروں کونوں پر چار لالٹینیں اور بیچ میں فوارہ ہے حوض کے مغربی کونے پر ایک چھوٹا سا کٹہرا سنگِ مرمر سے عملی خواجہ سر احمد حسین خاں کا بنوایا ہوا ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ اس جگہ بحالت خواب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا

صحن مسجد کے شمال اور مشرق کے کونے میں ایک کرۂ ارض بھی سنگِ مرمر سے بنا ہوا ہے

لال قلعہ دہلی

اس کی بنیاد مورخہ ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء کو رکھی گئی لیکن سر سید احمد خاں نے کسی پرانے زائچہ کو دیکھ کر تاریخ بنائے قلعہ ۹ محرم سنہ ۱۰۴۹ھ بیان کی ہے قلعہ کی تکمیل شاہ جہان بادشاہ کے ۲۰ ویں سن جلوس میں تکمیل ہوئی ان دنوں بادشاہ کابل میں مقیم تھا قلعہ کی عمارت ہشت پہلو ہے جس کے دو اضلاع شرقی اور غربی جانب لمبے ہیں۔ عمارت قلعہ کا محیط تقریباً ۱½ میل ہے طولاً ۲ ہزار فٹ اور عرضاً ۱۸۰۰ فٹ ہے قلعہ کی جو دیواریں دریائے جمنا کی طرف ہیں ان کی اونچائی ۶۰ فٹ ہے جب کہ خشکی کی جانب دیواروں کی بلندی (خندق سے) ۷۵ فٹ ہے خندق کی گہرائی ۳۰ فٹ اور چوڑائی ۷۵ فٹ ہے۔ مغلیہ دور میں اس خندق سے ملحق باغات تھے جنہیں انگریزی سپاہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اجاڑ دیا۔ قلعہ کی مشرقی طرف یعنی عمارت قلعہ اور دریائے جمنا کے درمیان میدان کو شاہی افواج کی پریڈ اور ہاتھیوں کی لڑائی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں قلعہ کا نام قلعہ مبارک تھا۔ بہادر شاہ ثانی کے دور میں قلعہ معلیٰ کے نام سے موسوم ہوا اور انگریزی عہد سے تا ایں دم اسے لال قلعہ کہتے ہیں۔ قلعہ کے معماران اعلیٰ مکرمت خان، غیرت خاں صوبہ دار دہلی عزت خاں صوبہ دار سندھ، علی وردی خاں، استاد حامد معمار اور استاد احمد معمار تھے عہد عالمگیری کے ایک مورخ بخت آور خاں نے تعمیر کی لاگت کی یہ تفصیل بیان کی ہے۔

عمارت قلعہ اور اندرونی عمارات = ۶۰ لاکھ روپے محلات شاہی = ۲۸ لاکھ روپے شاہ محل (یعنی دیوان خاص مع چھت چاندی) = ۱۴ لاکھ روپے۔ دیوار قلعہ و خندق = ۲۱ لاکھ روپے۔ امتیاز محل یعنی رنگ محل ۵½ لاکھ روپے۔ دیوان عام ۲½ لاکھ روپے۔ حیات بخش باغ = ۶ لاکھ روپے۔ محلات جہاں آرا بیگم و دیگر بیگمات = ۷ لاکھ روپے بازار قلعہ ۴ لاکھ روپے

اس کے علاوہ کاریگروں اور مزدوروں کا معاوضہ تقریباً ایک کروڑ روپیہ تھا قلعہ میں استعمال ہونے والا پتھر صوبہ داران و مہاراجگان نے بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ سنگ سرخ کی بڑی مقدار فتح پور سیکری سے کشتیوں کے ذریعہ لائی گئی تھی۔

سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی

حضرت نظام الدین اولیا دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

سردار علی احمد خان

محمد آپ کا اسم شریف تھا اور القاب سلطان المشائخ، محبوب الٰہی، سلطان الاولیا، سلطان جی سلطان السلاطین، نظام الدین اولیا زری زر بخش تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا، ابن خواجہ احمد ابن خواجہ علی بخاری بمقام شہر بدایوں (صوبہ اتر پردیش) بروز آخری چہار شنبہ قبل از دوپہر بتاریخ ۲۷ ماہ صفر ۶۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے، آپ کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے اور گنجینہ علم و عرفان تھے آپ کی ننہیال اور دادھیال سادات حسینی میں سے تھے اور آپ کے دادا خواجہ سید علی اور آپ کے نانا سید عرب ہم جد تھے آپ کے اجداد نے بخارا سے ہجرت کرنے کے بعد لاہور (پاکستان) میں قیام کیا تھا اور اس کے بعد بدایوں میں سکونت پذیر ہوتے تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدین پانچ برس کے تھے کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپکی والدہ محترمہ نے کی جو اپنے وقت کی بڑی عبادت گذار خاتون تھیں ان کی کرامت بزرگی اور زہد کے کتنے ہی واقعات مشہور کتاب سیر الاولیا میں سید محمد مبارک المعروف امیر خورد نے درج کئے ہیں۔ حضرت نظام

الدین سن بلوغ کو پہنچے تو کمال زہد و تقویٰ کے ساتھ علوم ظاہری حاصل کرنے میں مشغول ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی جہاں آپ نے مولانا علاؤالدین اصولی سے قدوری ختم کی اور دستار فضیلت حاصل کی پچیس برس کی عمر میں مزید اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے جہاں پہلے تو آپ نے پرانا قلعہ کی عمارت کے قریب ایک شخص کی حویلی کے دروازہ میں اقامت اختیار کی اور بعد میں کسی دوسرے شخص کے خس پوش کوٹھے پر ڈیرا جمایا دہلی میں آپ شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی کے درس میں شریک ہوئے مولانا شمس خوارزمی کامل وقت تھے اور ان کے فضل و کمال کی وجہ سے سلطان بلبن ان کا بے حد قدردان تھا۔ حضرت نظام الدین نے مولانا شمس الدین سے حریری کے مقالات پڑھے کبھی درس میں ناغہ ہو جاتا اور نظام الدین اگلے روز استاد کی خدمت میں جاتے تو وہ انہیں دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے۔

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے

آئی و بما کنی نگاہے

سبحان اللہ! شاگرد عزیز کے کیا کہنے خواجہ نظام الدین نے مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار پڑھی اور انہی سے حدیث شریف پڑھی۔ قرآن پاک حفظ کیا مولانا کمال الدین زاہد وہ بزرگ تھے جو جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے متقی اور متدین شخص تھے ان کی بزرگی کا شہرہ سن کر سلطان غیاث الدین بلبن نے انہیں اپنا پیش امام بنانا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس سوائے نماز کے دوسری چیز نہیں اور اب بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ یہ بھی مجھ سے جاوے۔ سلطان بلبن اس جواب کو سن کر خاموش ہو گیا۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ نظام الدین اولیا نے حضرت

بابا فریدالدین گنج شکر اجودھنی سے عوارف المعارف اور تمہید الوشکور سالمی پڑھی تھیں، دیگر کتب تصوف کے درس کے علاوہ آپ نے شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر سے تجدید تفسیر قرآن پاک بھی کی۔

صحبت شیخ

حضرت بابا فرید گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کہ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے، دہلی میں رہائش رکھتے تھے۔ ان کا مکان مسجد ہلال طشت دار کے قریب ہی تھا جہاں ایک حجرے میں بعد تکمیل تعلیم نظام الدین اولیا رہتے تھے۔ کبھی کبھی نظام الدین شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کی باتوں سے دل میں حضرت بابا فریدالدین سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا ایک روز شوق ارادت اور غائبانہ محبت نے اسقدر غلبہ کیا کہ نظام الدین اجودھن (موجودہ پاکپتن شریف ضلع ساہیوال پاکستان) پہنچ گئے بابا صاحب کی خدمت عالی میں پیش ہوئے تو بابا فرید نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

حضرت نظام الدین بھی اپنا شوق دیدار اور اشتیاقِ قدم بوسی ظاہر کرنا چاہتے تھے مگر بوجہ عظمت شیخ کچھ عرض نہ کر پائے۔ اسی روز آپ بابا صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر مشرف بہ بیعت مرشد ہوئے۔

حضرت شیخ نظام الدین مورخہ ۱۵ رجب ۶۵۵ ہجری سے ۲ ربیع الاول شریف ۶۵۶ ہجری تک حضرت بابا صاحب کی صحبت میں تعلیم و تربیت پاتے رہے اور راہِ

سلوک پر گامزن ہونے کے بعد ایک روز معروض ہوئے کہ تعلیمی اشغال کو ترک کر کے نوافل میں مصروف ہو جاؤں لیکن مرشد نے فرمایا کہ تعلیم و نوافل دونوں ضروری ہیں۔ درویش کے لئے علم نہایت ضروری ہے۔ تاکہ شیطان کے وسوسے میں نہ آ سکے۔

سیر الاولیاء میں تحریر ہے کہ حضرت نظام الدین بڑے ذہین و فطین طالب علم تھے اور ان کے ہم جماعت دوستوں کا خیال تھا کہ وہ تعلیم سے فارغ ہوتے کسی بڑے سرکاری عہدہ پر فائز ہوں گے۔ اس خیال کے برعکس حضرت نظام الدین نے حضرت بابا فرید صاحب سے بیعت ہو کر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی ایک دن آپ پاکپتن میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے پھر رہے تھے کہ اتفاقاً راستہ میں ان کا ایک پرانا ہم مکتب مل گیا۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہوا اور متاسف ہوا کہنے لگا کہ مولانا نظام الدین آپ کی یہ کیا حالت ہو گئی۔ اگر آپ شہر میں رہ کر لوگوں کو تعلیم ہی دیتے تو مجتہد زمانہ کہلاتے اور تمہاری (معاشی) حالت بہتر ہوتی، نظام الدین یہ بات سن کر خاموش رہے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ جب خانقاہ واپس لوٹے اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کشف سے مرید کی ذہنی حالت کا پتہ لگا لیا۔ اور فرمایا کہ باورچی خانے چلے جاؤ اور ایک خوان لے لو اسے سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پاس لے جا کر پیش کرو اور اس کے بعد اس کی بات کا یہ جواب دو۔

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو

ترا سعادت بادا، مرا نگوں ساری

دنیاوی جاہ طلبی کی طرف ذرا سی رغبت بھی اگر نظام الدین کے دل میں پیدا ہو سکتی تھی، اس تدبیر سے ختم ہو گئی اور انہوں نے محسوس کر لیا۔ کہ ان کی اور ان

سکے دوست کی راہیں مختلف ہیں درویش جس دنیا میں رہتے ہیں، اس کے طور طریقے جدا گانہ ہیں۔ ؎

مجو بہ محمل شاہی کہ در ولایت عشق
گدا بہ تخت نشانند و پادشاہ گیرند

حضرت بابا فریدالدین کی تعلیم و تربیت کا فیضانِ عظیم تھا۔ حضرت نظام الدین کا بیان فوائد الفواد میں ہے کہ بابا صاحب کا بیان ایسا ہوتا کہ پھر ایسا بیان کسی اور سے نہ سنا گیا۔ اس بیان کے موقعہ پر ایسا ذوق طاری ہو جاتا کہ پھر سننے والے کی تمنا یہ ہوتی کہ اس بیان کے موقعہ پر موت آجاتی تو خوب ہوتا۔ بابا صاحب کی خانقاہ میں درویشوں کے بڑی تنگی اور فقر و فاقہ سے شب و روز گزرتے تھے۔ شیخ حسام الدین کابلی کے سپرد پانی بھر کر لانے اور برتن دھونے کی خدمت سپرد تھی۔ مولانا بدرالدین اسحٰق جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے جو لنگر خانہ میں بطور ایندھن استعمال ہوتی تھیں۔ شیخ جمال الدین قطب ہانسوی کریر کی جھاڑیوں سے ڈھیلے توڑ کر لایا کرتے اور حضرت نظام الدین اولیا ان ڈیلوں کو درویشوں کے طعام کے لیے پکایا کرتے تھے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق اور قطب جمال الدین ہانسوی اور حضرت نظام الدین اولیا ایک ہی پیالے میں ساتھ کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیا نے قرض اٹھا کر تھوڑا سا نمک خرید کر کے ڈیلوں میں ڈال دیا تاکہ اس طعام کی کڑواہٹ کم ہو سکے۔ بابا صاحب نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں جو ہاتھ ڈالا تو انہیں گرانی سی محسوس ہوئی اور فرمانے لگے کہ اس کھانے سے اسراف کی بُو آ رہی ہے، حضرت نظام الدین نے قرض پر نمک لینے کا اعتراف کیا اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقے سے موت آجائے تو اس سے

بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہے یہ کہہ کر پیالوں کو غریبوں میں تقسیم کر دینے کا ارشاد فرمایا اسی وقت مرید نظام الدین نے دل میں عہد کر لیا کہ زندگی بھر قرض نہ لیں گے۔ یہ قلبی کیفیت جب باباصاحب پر کشفاً ظاہر ہوئی تو آپ نے خوش ہو کر وہ کملی عطا کی جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ آئندہ انشاءاللہ تمہیں کبھی قرض لینے کی حاجت ہی نہ رہے گی۔

ولایت دہلی اور ہدایت خلق

حضرت بابا فرید شکر گنج نے حضرت نظام الدین اولیاء کو بروز چہار شنبہ مطابق ۱۲ ربیع الاول ۶۷۲ ہجری خرقہ خلافت عنایت فرمایا اور حسب ارشاد مرشد آپ دہلی روانہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت حضرت باباصاحب نے دعا دی کہ تو ہرگز کسی کا محتاج نہ ہو گا اور خدا کرے کہ تو ایک ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں ایک خلق کثیر آسائش و راحت سے رہے ساتھ یہ نصیحت آپ کو فرمائی کہ دشمنوں کو خوش رکھنا اور جس سے قرض لیا اس کو ادا کر دینا۔

دہلی پہنچ کر آپ شیخ نجیب الدین متوکل سے ملے جو آپ کی سرگزشت سن کر بے حد مسرور ہوئے اور دہلی کی ولایت پر آپ کے فائز ہو جانے کی مبارکباد دی۔

دہلی شہر کی گنجان آبادی میں جائے فراغت لائق عبادت نہ دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیاء نے جنگل میں ڈیرہ لگالیا۔ وہاں قیام کئے تھوڑے ہی دن ہوئے

تھے کہ ہاتف نے ندا دی کہ آپ کی جگہ غیاث پور ہے وہاں پہنچ کر مخلوق الٰہی کی ہدایت میں مشغول ہوں۔ آپ وہاں منتقل ہوئے تو پہلے ہی دن ہزاروں لوگ مُرید و معتقد ہوئے۔ اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے نواح میں ایک محل بنوایا اور شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی۔ بہت سے امرا اور شہزادے آپؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ ہجوم سے آپ کی طبیعت بہت گھبرائی اور چاہتے تھے کہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں اسی خیال میں تھے کہ ایک خوبرو نوجوان بوقت ظہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں معرض ہوا ے

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شُد
امروز کہ زلفت دل خلقے بر بود
در گوشہ نشستن نمی دارد سُود

آپ کچھ کہنے کو تھے کہ وہ نوجوان پھر گویا ہوا کہ اول تو مشہور نہیں ہونا چاہیے اور اگر ہو جائے تو ایسا ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرمندگی نہ ہو اور یہ کیا حوصلہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی مخلوق سے جُدا ہو کر حق سے مشغول ہوں۔ حوصلہ یہ ہے کہ خلق میں رہ کر حق سے مشغول رہیں۔ یہ کلام سُن کر آپ آخر وقت تک غیاث پور میں ہی مقیم رہے۔

عطیۂ درویش

غیاث پور میں شروع کا زمانہ آپ کے لئے بہت تنگدستی میں گزرا اور ایسا بھی ہوتا رہا کہ آپ اور خانقاہ کے درویشوں کو مسلسل تین تین دن فاقے کرنا پڑے

لیکن محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ سلطان جلال الدین خلجی نے جاگیر پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرما دیا کہ مجھے اور میرے متعلقین یعنی درویشوں کو اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرا اور ان کا کارساز پروردگار عالم ہے۔

روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ کے پڑوس میں رہتی تھی اور سوت کات کر اس کی اُجرت سے روزہ افطار کرتی تھی ایک روز اسے معلوم ہوا کہ حضرت نظام الدین اولیاء اور خانقاہ کے دیگر درویش فاقہ سے ہیں تو اس بڑھیا نے آدھ سیر جَو کا آٹا جو اس کے گھر میں موجود تھا لا کر حضرت کی نذر کیا۔ حضرت نظام الدین نے شیخ کمال الدین یعقوبؒ سے فرمایا کہ آٹا ہنڈیا میں پکا رکھو کہ کسی مسافر یا سائل کے کام آئے۔ ابھی ایک دو جوش آئے تھے کہ ایک گودڑی پوش فقیر نے صدا دی کہ نظام الدین کچھ کھانا رکھا ہے تو لا۔ آپ نے جواباً کہا کہ ٹھہرو ابھی پک رہا ہے۔ درویش نے کہا جیسا ہے لے آ۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے دامن سے ہنڈیا اتار کر پیش کی تو فوراً اس درویش نے ہنڈیا میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم کھانا شروع کیا۔ اسے گرمی نہ معلوم ہوئی۔ کھانا کھانے کے بعد مٹی کی ہنڈیا زمین پر ماری اور توڑ ڈالی اور کہا نظام الدین نعمت باطنی تو نے بابا فرید سے پائی اور ظاہری فاقہ تیرا آج سے ہم نے توڑا۔ درویش یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔ اسی روز سے خدا کی قدرت سے فتوحات کثیرہ کا سلسلہ جاری ہو گیا اور ہزاروں لوگ آپ کے لنگر سے کھانا کھانے لگے۔ صاحب خیر المجالس نے لکھا ہے کہ آپ کے ہاں فتوحات کا ایسا سلسلہ جاری تھا کہ معلوم ہوتا تھا۔ دریائے جمنا کا رُخ آپ کی خانقاہ کی طرف کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوصف آپ کا اپنا یہ حال رہا کہ مسلسل روزے رکھتے اور سحری کے

وقت اس لئے کھانا نہ کھاتے کہ شہر میں کچھ لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے۔

منبعِ فیض

خلق خدا کی دردمندی نے حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کو اقلیم دل کا حکمران بنا دیا تھا۔ کوئی آدمی کسی معاملہ میں پریشان ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کوئی بادشاہ کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو عرضِ حال کرتا۔ کوئی نادار یا مریض ہوتا تو آپ کے آستانہ عالیہ کا رُخ کرتا۔ کسی کے دل میں کوئی اندیشہ یا وسوسہ ہوتا تو بے اختیار اس کے قدم آپ کی خانقاہ کی طرف اٹھنے لگتے۔ آپ ہر ایک کا درد وغم اور ماجرا سنتے، اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہ خداوندی میں ایک ایک دکھ اور تکلیف اپنے اوپر طاری کرتے اور دعا فرماتے۔ حضرت محبوب الٰہی سلطان جی کی بارگاہ غریب و امیر عارف و عامی۔ شہری و دیہاتی بوڑھے اور بچے سب ہی کے لئے ہر وقت کھلی تھی، جو شخص جس وقت آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوتا اسے اسی وقت باریابی کی اجازت دی جاتی۔ مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ سلطان اولیا نظام الدین نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ آپ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے۔ ہر ایک تائب کو طاقیہ عنایت کرتے اور ایک مسواک دیتے تھے۔ آپ کے مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے آپ کو دعا دی تھی کہ تو ایسا درخت ہو جس کے سایہ میں خلق خدا آرام و راحت حاصل کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تقریباً نصف صدی تک انسانی دلوں نے آپ کی خانقاہ میں ایسی راحت اور سکون حاصل کیا کہ جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر چلچلاتی دھوپ سے خستہ جان ہو گیا ہو اور پھر معاً ٹھنڈے اور

سایہ دار گھنے درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر فرحت اور اطمینان کا سانس لے۔
حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے فیوض و برکات سے سارے برصغیر پاکستان و ہندوستان میں ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوگیا۔ مسلمانوں کی اکثریت عبادت اور زہد کی طرف مائل ہوگئی۔ عوام اور خواص کے دلوں نے نیکی اختیار کرلی تھی مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کرنے لگے۔ جھوٹ بولنے کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا۔ اس کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی میں ضیاءالدین برنی نے لکھی ہے۔

رتبۂ عالی

حضرت نظام الدین اولیاءؒ تمام مقامات غوثی اور قطبی اور فردانیت سے گزر کر مرتبۂ محبوبی کو پہنچے اور آپ کے اقوال و احوال تمام مشائخوں کے لئے حجت قاطع ہیں واضح رہے کہ اہل کمال جب سلوک میں ترقی کرتے ہیں تو مقام قلب مبارک حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پہنچتے ہیں اس مقام سے ترقی کرتے حضور ختم مرتبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات سلوک میں قدم رکھتے ہیں اور ایسے سالکوں کو قلب حقیقی کا مرتبہ حاصل ہوتا۔ اس مقام سے ترقی کرکے مقام معشوقی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ محمد سلطان الاتقیاؒ کو مقام معشوقی حاصل ہوا اور آپ محبوب الٰہی کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔

حضرت امیر خسروؒ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ حضرت محبوب الٰہی کو خضر و مسیحا تشبیہ دی ہے، ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

وجود خواجۂ ما ز آب و گل گشتہ مرتب
کہ جان خضر و مسیح بہم شد مرکب

علامہ محمد اقبالؒ لاہوری نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو مسیحا و خضر سے بھی اُونچا مقام دیا ہے۔ ؎

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
تری قبر کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

پروفیسر محمد حبیب نے حضرت محبوب الٰہی کو ہندوستان کا سب سے بڑا بزرگ قرار دیا ہے۔ مولانا ضیاءالدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو پچھلی صدیوں میں حضرت جنید بغدادیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔ بقول صاحب "گلزار ابرار" حضرت محبوب الٰہی نے تبلیغ و ہدایتِ خلق کے لئے سات صد خلفاء تمام بڑے شہروں میں روانہ کئے کہ جن میں ہر فرد کے سینہ میں گویا عرفان کا سورج طلوع ہوا تھا۔

معمولات

سیرالاولیاء سے نقل ہے کہ آپ نے جوانی میں ۳۰ سال تک بڑے سخت مجاہدے کئے اس کے بعد کی زندگی اور زیادہ سخت مجاہدے میں گزاری۔ تمام عمر صائم الدہر رہے چوبیس گھنٹوں میں چار پانچ صد رکعتیں نفل نماز۔ بڑھاپے میں اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔

فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد وعظ فرمایا کرتے۔ اس وقت عالموں اور صوفیوں کا اجتماع ہوتا اور آپ انہیں سلوک و معرفت کے حقائق بیان فرماتے اس دوران میں شہر سے آنے والے غرباء اور مساکین کی آمد و رفت خانقاہ میں

ہوتی رہتی تھی۔ جنہیں غلّہ اور روپے پیسے تقسیم کئے جاتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی ظہر کی نماز سے قبل کچھ دیر کے لیے سستایا کرتے تھے۔ ظہر کی نماز با جماعت نماز کی ادائیگی کے بعد پھر مجلس ہوتی جس میں عموماً حدیث کشاف اور دوسری مشہور و معروف کتب حدیث و تصوف کا درس ہوتا تھا۔ سامعین ایسا محسوس کیا کرتے تھے کہ وہ الہامی باتیں سن رہے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت موصوف کوٹھے پر تشریف لے جاتے اور مغرب کی اذان کے ساتھ پھر نیچے اتر آتے اور روزہ افطار کرنے کے بعد نماز مغرب ادا کرتے پھر کوٹھے پر واپس چلے جاتے۔ جہاں مغرب اور عشاء کے مابین بھی ایک مجلس ہوتی تھی۔ حاضرین کی میوہ جات اور لذیذ مشروبات سے تواضع کی جاتی تھی۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے پھر محبوب الٰہی مسجد میں آتے اور نماز کی ادائیگی کے بعد پھر اپنے کوٹھے والے حجرہ میں چلے جاتے اس وقت صرف امیر خسروؒ آتے اور کچھ حکائتیں سناتے جن کو حضرت لطف و دلچسپی سے سنا کرتے اسی وقفہ میں کبھی کبھی بعض احباب اور رشتہ داروں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آداب بجا لانے کے لیے آجایا کرتے تھے۔ جب امیر خسروؒ رخصت ہوتے تو حضرت نظام الدین کا خادم وضو کے لئے پانی لاکر چھوڑ جاتا اور حضرت خود حجرہ کی کنڈی اندر سے بند کر لیتے اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو جاتے پھر سحری کے وقت خادم آپ کے لئے سحری لاتا جسے تھوڑا سا کھاتے اور باقی طعام تقسیم کر دینے کی ہدایت فرماتے۔ آپ کی غذا سادہ ہوتی افطاری میں آدھی یا کبھی ایک روٹی سبزی یا کریلے کے سالن سے کھا لیتے۔ کبھی کبھی چاول بھی کھا لیتے تھے۔ لباس آپ کا سادہ اور درویشانہ ہوتا تھا۔

سخاوت

حضرت نظام الدین اولیاؒ کے لنگر خانہ سے کئی ہزار فقرار، غربا اور مساکین کھانا کھاتے تھے دن بھر جو اشیار از قسم غلّہ، روپیہ، پیسہ، پارچات یا دیگر سامان خانقاہ میں آتا وہ تمام کا تمام شام تک تقسیم کر دیا جایا کرتا تھا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا ہر جمعہ کے روز تجرید فرماتے تمام حجروں اور گوداموں کو بالکل خالی کرا کر جھاڑو دلوا دیتے اور اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جا کر اطمینان سے نمازِ جمعہ ادا فرماتے۔ کتاب روضۃ الاقطاب میں لکھا ہے کہ تین ہزار اہل علم، طلبہ اور مریدوں کو حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاں سے وظائف ملا کرتے تھے۔
اس دریا دلی اور مثالی سخاوت کے باوجود آپ اتنے مستغنی تھے کہ بادشاہ یا شاہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ آپ کی خدمت میں گزارتا تو ایک سرد آہ بھر کر کہتے کہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں۔ (سیر الاولیاء) آپ نے گاؤں اراضیات باغ یا جاگیر کبھی قبول نہیں فرمائی جب کبھی ان کی پیش کش آپ کو کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ۔

از خواجگان ما و مشائخان ما ہیچ کس ازیں قبول نہ کردہ است۔

بقول مصنف سیر الاولیا حضرت محبوب الٰہی کی اس شان استغنا پر ہی حضرت امیر خسروؒ نے یہ اشعار کہے تھے۔

در حجرہ فقر پادشاہی
در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر و بے تاج
شاہاں شہ بہ خاکپائے محتاج

جوامع الکلم میں تحریر ہے کہ ہر عرس کے موقعہ پہ آپ کے ہاں سے تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا تھا اور نقد رقم بھی مساکین شہر میں بانٹی جاتی تھی۔

سلطان جی اور سلاطین ہند

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے تعلقات سلاطین دہلی سے کبھی خوشگوار نہیں رہے، شاید اس لئے بھی کہ فقر و استغنائی حب اللہ کا دنیاوی جاہ و جلال سے نیاز مند اور فروتر ہونا ممکن ہی نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ حضرت سلطان جی مسلمانوں کی حکومت کے لیے دعاگو ہی رہے۔

ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین تغلق نے شاہی حکم کے ذریعے سماع کی مخالفت کا اعلامیہ جاری کیا۔ لیکن خانقاہ نظام الدین میں محفل سماع بدستور سابق جاری رہی۔ بادشاہ نے محضر طلب کیا اور مجلس مناظرہ میں سربر آوردہ علماء اور مشائخ اکٹھے کیے گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء بھی اس میں شریک ہوئے آپ نے بڑی عالمانہ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی اور نفس غنا کے جواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پیش کیں تو بعض حنفی مولویوں نے اپنی کم مائگی اور کج علمی کے باعث یہ اعتراض کر دیا کہ تم تو مقلد ہو کسی حدیث کو بطور دلیل اور سند کیوں پیش کرتے ہو۔ البتہ اگر فقہ حنفی کی کوئی روایت ہو تو وہ پیش کریں ان کی یہ بات سن کر حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ وہ مملکت جہاں مسلمان حکمران ہوں کیونکہ آباد رہے گی۔ جس میں لوگوں کی رائے کو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستند احادیث پر ترجیح دی جائے، مولانا علم الدین جو حضرت

شیخ بہاؤالدین ذکریاملتانی کے نواسہ تھے۔اور جن سے سلطان غیاث الدین تغلق کو بھی اعتقاد تھا نے حضرت محبوب الٰہی کے نقطۂ نظر کی تائید کی اور اس طرح یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔

قطب الدین مبارک شاہ ۱۳۱۶ء میں تخت نشین ہوا۔اس نے سلطان علاؤالدین خلجی کے بیٹے خضر خان کو جو سلطان جی کا مرید تھا شہید کر ڈالا اور حضرت کو بھی ستانے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ تمام عمائدین امراء دربار اور اہل لشکر آپ کے مرید یا معتقد تھے۔اس لئے اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رہا۔

ایک روز بادشاہ نے اپنے مشیر قاضی محمد غزنوی (جو محبوب الٰہیؒ سے عداوت رکھتا تھا) سے پوچھا کہ نظام الدین اولیاء کے پاس اتنا مال وزر کہاں سے آتا ہے کہ روزانہ ان کے لنگر کا خرچ دو ہزار اشرفیاں ہوتا ہے۔قاضی نے جواب دیا کہ امراء اور لشکری پہنچاتے ہیں۔بادشاہ نے حکم دیا کہ جو شیخ نظام الدین کو کچھ دے گا اس کا وظیفہ خزانۂ سلطانی سے بند کر دیا جائے گا اور جو ان کی خدمت میں جائے گا تو اسے شہر بدر کر دیا جائے گا۔اس امر کی خبر جب سلطان جی کو ہوئی تو آپ نے اپنے لنگر خانہ کے انچارج خواجہ اقبال کو ارشاد فرمایا کہ آج سے اخراجات دوگنا کر دیئے جائیں اور جو رقم درکار ہو وہ فلاں طاق میں سے بسم اللہ کہہ کر نکال لیا کرو۔بادشاہ کو جب یہ خفیہ رپورٹ ملی تو وہ بہت شرمندہ ہوا۔کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ایک اور امیر کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ حضرت رکن عالم ملتان سے اتنی دور ہر سال بادشاہ کو دیکھنے دہلی آتے ہیں۔لیکن آپ شہر دہلی میں رہتے ہوئے بھی نہیں آتے اور اس میں بادشاہ کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔آپؒ نے جواباً کہلا دیا کہ فقیر کی عادت نہیں کہ

امراء کے مکان پر جائے، ہمیں اس بارے میں معذور سمجھا جائے اور معاف رکھا جائے۔ اس پر سلطان ہند کو بہت غصہ آیا اور پھر کہلا بھیجا کہ میرے حکم کی تعمیل سلطان جی کو کرنا ہوگی۔ محبوب الٰہی نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین سنامی کے پاس پیام بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں بھی روا نہیں۔ مگر قضائے الٰہی سے شیخ ضیاء الدین کا اچانک انتقال ہوگیا۔ ان کی فاتحہ خوانی کی رسم میں بادشاہ اور اس کے جملہ امراء اور اکابر شریک ہوئے محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت فرمائی۔ کل حاضرین نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو تعظیم دی اور آداب پیش کیے۔ مگر سلطان قطب الدین ملتفت نہ ہوا

اور تلاوت قرآن شریف میں مشغول رہا۔ کنکھیوں سے حضرت کی تکریم و تعظیم ہوتی دیکھتا گیا۔ اور آتش غضب میں اور جلا۔ بعض حاضرین نے حضرت نظام الدین اولیاء سے عرض کیا کہ سلطان دہلی اس مجلس میں ہے سلام علیک کہہ دیجئے۔ فرمایا کہ کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ وہ تلاوت کر رہا ہے اور مخل ہونا خلاف شرع اسلامی ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے کل علماء اور مشائخ کو جمع کرکے کہا کہ شیخ نظام الدین کو سمجھاؤ کہ ہر روز میرے دیدار کے لئے آیا کریں اگر یہ نہ ہوسکے تو ہر نئے چاند ماہ کی مبارکباد کے لئے ضرور آیا کریں مشائخ نے یہ بات آپ کے گوش گزار کی اور کہا کہ بادشاہ کا ارادہ فاسد معلوم ہوتا ہے آپ اس کی ضد پوری کر دیں اور دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں حضرت خواجہ نظام الدین نے یہ کہہ کر ان کو رخصت کر دیا کہ:

"ببینیم چہ بہ ظہور پیوندد"

چنانچہ جس دن سلطان قطب الدین اپنے دربار میں سلطان جی کی آمد کا منتظر تھا۔ اسی روز محل شاہی میں شورش برپا ہوئی اور قطب الدین اپنے ایک منصبدار خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی نے بھی حضرت کی حاضری کے لئے جتن کیا تھا۔ لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیروں کو بادشاہوں سے کیا کام کہ ان کے مشیر یا حاضر باش بن جائیں۔ میں شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوں اور بادشاہ اور عام مسلمانوں کے لئے دعائے خیر میں مشغول ہوں اگر بادشاہ نے میری حاضری پر اصرار کیا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ شہزادہ خضر خان نے جو آپ کا مرید بھی تھا یہ بات بادشاہ کو پہنچائی بادشاہ نے پھر کہلایا کہ وہ حضرت کی ملاقات کے لئے خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے لیکن سلطان جی نے جواب دیا اگر بادشاہ ایک دروازے سے داخل ہو گا۔ تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤں گا۔

سلطان علاؤ الدین خلجی نے اپنے ایک امیر قنبر بیگ کو یہ ہدایت کی ہوئی تھی کہ محفل سماع میں جس کلام پر سلطان جی کو وجد آئے وہ لکھ کر اسے پیش کیا کرے۔ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ ایسے اشعار جن پر ایک مرتبہ محفل سماع میں سلطان جی کو وجد آیا حسب معمول قنبر بیگ نے لکھ کر سلطان علاؤ الدین خلجی کو پیش کئے بادشاہ بار بار ان اشعار کو پڑھتا اور تعریف کرتا تھا۔ وہ دو اشعار آپ بھی سنئے اور سر دھنیئے۔

پیش منا جمال جاں افروز
در نمودی بہر سپند بسوز
آں جمال تو چیست ہستی تو
واں سپند تو چیست مستی تو

تجرد پسندی

حضرت محبوب الٰہی نے عمر بھر شادی نہیں کی اور مجرد رہے ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نظام الدین اولیاء کا پاجامہ پھٹا ہوا دیکھ کر بابا فرید الدّین گنج شکر نے انہیں ایک اپنا نیا پاجامہ عنایت کیا۔ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے فخر سمجھ کر اس پاجامہ کو اپنے پاجامے کے اُوپر پہن لیا۔ لیکن جلدی میں اس کا ازاربند ایک طرف نکل گیا۔ بابا صاحب نے فرمایا ازاربند محکم گیر۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اس وجہ سے تمام عمر تجرد رہا۔

وصال

محبوب الٰہی نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نظام الدین تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اس خواب کے بعد آپ کو سفر آخرت کے لئے بے چینی لگ گئی۔ وفات سے چالیس یوم قبل کھانا پینا ترک ہو گیا اور آنکھیں اشکباری کرتی تھیں۔ مورخہ ۱۸ ربیع الاوّل ۷۲۵ ہجری بروز چہار شنبہ کو آپ نے آخری بار نماز فجر ادا کی خادم خاص اقبال کو حکم دیا کہ لنگر خانہ اور دیگر ملکیتی اشیاء غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی جائیں اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تبرکات خواجگان چشت اپنے خلفاء کو عنایت کئے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت شیخ رکن عالم ملتانی نے پڑھائی۔ مزار شریف دہلی میں مرجع خلائق ہے۔

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است
ہنوز از اں سر خوشبوئے عشق می آید

حضرت محبوبِ الٰہی کے جنازہ کے ساتھ قوال بھی تھے جو شیخ سعدی شیرازی کی یہ غزل گاتے جاتے تھے۔

سرو سیمینا بہ صحرا می روی
نیک و بدعہدی کہ بے ما می روی
کس بدیں شوخی و علامت برفت
چوں چنینی یا لعمداً می روی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو صحرا میں دفن کیا گیا تھا لیکن آپ کی مناہی کے باوجود کچھ عرصہ بعد روضہ کی تعمیر سلطان محمد بن تغلق نے کرا دی تھی۔

ہے دربار آپ کا عالم پناہی
تصدق جس پہ فخر پادشاہی
ہے سب پر آپ کی رحمت نگاہی
نظر کن بر من و حال تباہی
نظام الدین محبوب الٰہی

(سردار علی احمد خان)

منقبت در شانِ حضرت سلطانِ عالم پناہی دُرِ تاج کجکلاہی صاحب فیوض لا متناہی، زری زر بخش محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ

سیّد نظام الدین محمد سراج الاولیاءؒ علیہ الرحمۃ دہلوی

اے نظام الدین محبوبِ خدا   اعتبارِ فقر شاہ اولیاءؒ
مرشد کامل فریدالدین را   جانشین و صاحبِ علم و ہدیٰ
از تو دہلی شد منور با چراغ   بحرِ عرفاں را تو گوہر بے بہا
فیض تو جاری و ساری تا ہنوز   از تجلیات عالم پُر ضیاءؒ

در دل تو عشقِ احمدؐ جاگزیں
مسلکِ تو اتباعِ مصطفٰیؐ

جرعہ کش از بادۂ تو عارفاں   بے خود و سرشار از جام صفا
در رہِ کیف و سرور و جذب عشق   کاروانِ شوق را تو رہنما
سینہ ہا پُر نور از تنویرِ حسن   از تو دلہا شد حقیقت آشنا
عاشق تو خسرو شیریں سخن   ہمچو بلبل پیش تو نغمہ سرا

از فروغ تو نصیرالدین چراغ
ضوفشاں در بزمِ دین و اتقا

چشتیاں را از تو روشن سلسلہ　　　رہنمائی از تو در راہِ ہدیٰ

گردِ شمع نورِ تو پروانہ وار
اولیاء و اتقیا و اصفیاء

تو مہِ تاباں و مشتاقاں نجوم　　　روشن از نور و ضیاءٔ ارض و سما

خاکساراں پیشِ تو عالی مقام
بر درت شاہانِ عالم چوں گدا

مرقدِ تو مرجعِ اہلِ نظر　　　از زیارت قلب را نور و صفا

زائرانِ ملکِ پاکستان ہم　　　از عقیدت بر درت مدحت سرا

از تو امید کرم داریم ما ۔
تو کہ محبوبِ الٰہی اولیاءٔ

بہرِ ما از حق دعائے خیر کن　　　ما غریباں، عاصیان و بے نوا

سرائیم زمزمہ در حمدِ باری چو بآغازم
ستائیم در سپاسِ ایں پیامش بر خدا نازم

حضرت امیر خسروؒ
صاحبِ کمالات

حضرت امیر خسرو کا اصل نام ابوالحسن تھا آپ ۶۵۱ھ میں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور ضلع ایٹہ۔ اترپردیش میں پیدا ہوئے آپ کے والد امیر سیف الدین مشہور ترک قبیلہ لاچین (یا لاچین) کے ایک معزز فرد تھے جنہوں نے چنگیز خان کے ہاتھوں بلخ کی تباہی کے بعد ہجرت کی اور قصبہ پٹیالی میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے۔ یہاں انہوں نے عماد الملک (جو دہلی کے شاہی دربار کے ایک بلند پایہ امیر تھے اور نومسلم راجپوت تھے) کی بیٹی سے شادی کی جن کے بطن سے امیر خسرو پیدا ہوئے۔

امیر خسروؒ کا گھرانہ

والد محترم امیر سیف الدین لاچین کشی ملقب بہ محمود سلطان شمسی (متوفی ۶۵۷ھ) والدہ محترمہ دولت ناز (متوفیہ ۶۹۸ھ) دختر امیر عماد الملک (متوفی ۶۷۱ھ)

عزیز الدین علی شاہ - (بڑے بھائی) - ابوالحسن یمین الدین امیر خسرو - ولادت ۶۵۱ھ بمقام پٹیالی - حسام الدین مبارک قتلغ - سپہ سالار لشکر - دختر کتخدا - شمس الدین ماہرو

مرید حضرت نظام الدین اولیاؒ۔ وفات ۷۲۵ھ مرقد حرم۔ متوفی ۶۹۸ھ۔ آپکی قبر اپنے ماموں حضرت امیر خسرو کے مرقد کے قریب ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ۔

محمد۔ میمونہ۔ سعد الدین مسعود۔ عین الدین خضر عفیفہ۔ یمین الدین مبارک

متوفی درزمان تصنیف۔ ولادت ۶۸۸ھ۔ ولادت ۶۹۶ھ۔ ولادت ۷۰۱ھ

غرۃ الکمال تقریباً ۶۹۳ھ۔ حاجی (متوفی درزمان تصنیف نہایت الکمال تصنیف ۷۳۴ھ)

بچپن

نقل ہے کہ جب امیر خسرو پیدا ہوئے تو انہیں ان کے والد ایک مجذوب بزرگ کی خدمت میں لے گئے۔ جنہوں نے انہیں دیکھتے ہی کہا کہ۔ آوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد بُرد" اور اس ذیل میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف "اخبار الاخیار" میں یہ اضافہ فرمایا ہے کہ۔

مقصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد۔

یعنی یہ کہ خاقانی تو صرف قصائد میں استاد تھا لیکن اس مولود کا کمال مثنوی اور غزل بھی ہوگا۔

امیر خسرو ابھی سات برس کے ہی تھے کہ یتیم ہو گئے۔ ان کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا ذمہ ان کے نانا عماد الملک نے لیا۔ امیر خسرو بچپن سے ہی بڑے طباع اور ذہین تھے۔ نہایت محنت سے آپ نے مروجہ علوم و فنون میں دست گاہ حاصل کی اور عنفوان شباب میں ہی شعر کہنا شروع کر دیا۔

امیر خسرو کے نانا کا قیام دہلی میں تھا۔ اپنے والد امیر سیف الدین کی وفات کے

بعد امیر خسرو اکثر دہلی آئے گئے۔ اسی شہر میں آپ کی ابتدائی تعلیم مکمل ہوئی۔ اچھی صحبت بھی یہیں میسر آئی۔ بچپن میں طبیعت میں شوخی اور کھلنڈرا پن تھا۔ دودھ کے دانت گرتے وقت مُنہ سے موتی جھڑتے تھے۔ بھری محفل میں شعر سنانے سے جھجکتے بالکل نہ تھے۔ مکتب میں اپنی شوخی کا اکثر مظاہرہ کیا کرتے۔ درسی کتاب کی بجائے چوری چوری ہم جماعتوں کے چہرے تکا کرتے اور پھبتیاں کسا کرتے۔ ۱۲۷۲ء تک کا زمانہ امیر خسرو نے نہایت بے فکری اور آزادروی سے گزارا۔ تب تک ایک دیوان "تحفۃ الصغر" آپ تیار کر چکے تھے۔

عہدِ شباب

امیر خسرو کی عمر تیئیس برس کی ہوئی تو آپ تلاش معاش کے لئے نکلے۔ بطور شاعر اچھی خاصی شہرت کے مالک بن چکے تھے۔ گفتگو میں بلا کا رس تھا۔ علوم ظاہری سے مالا مال تھے۔ اچھے خاندان سے تھے، سلطان دہلی کے بھتیجے علاؤالدین کشلو خاں کے دربار سے متعلق ہو گئے، جس کی جاگیر موجودہ ضلع گڑھ میں تھی۔ آپ دو سال تک بطور شاعر خاص کشلو خاں کے دربار سے متعلق رہے۔ خسرو کو اپنا یہ پہلا ممدوح اتنا پسند تھا کہ وہ دوستوں سے کہا کرتے تھے "ملک علاء الدین خاں جیسا سخی، بے دریغ خرچ کرنے والا، نشانہ باز، شکاری چوگان کھیلنے کا ماہر، کوئی ماں کا لال ہو نہیں سکتا۔

کشلو خاں کے ہاں ایک محفل میں امیر خسرو کا تعارف سلطان بلبن کے بیٹے بغرا خان سے ہوا۔ خسرو نے بغرا خاں کی ملازمت اختیار کی اور سامانہ جا پہنچے (یاد رہے سامانہ (مشرقی پنجاب) ان دنوں پنجاب اور کشمیر کے راستے میں دہلی سلطنت

کی ایک بڑی چھاؤنی تھا۔ جہاں مضبوط اور قابل اعتماد گورنر رکھا جاتا تھا۔ کم از کم دو مرتبہ منگول حملہ آور سامانہ کا قلعہ کترا کر دہلی کی طرف بڑھے۔ اور سامانہ کی فوج نے ان کی سپلائی لائن کاٹ دی تھی) ناصرالدین بغراخاں گورنر سامانہ نے امیر خسرو کو اپنا ندیم خاص بنا لیا اور خوب مزے سے گزرنے لگی۔ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ خسرو نے پنجابی زبان سامانہ میں ہی سیکھی ہو گی۔ خسرو اپنے محسن بغراخاں کے ہمراہ بنگال کی بغاوت فرو کرنے کی مہم پر بھی گئے۔ یہ واقعہ ۱۲۷۹ء کا ہے۔ بنگال کی آب و ہوا خسرو کو موافق نہ آئی، اور آپ اپنی والدہ اور دیگر رشتہ داروں سے ملنے کا عذر کر کے وہاں سے دہلی چلے آئے، کچھ دنوں ملک امیر علی سرجاندار (المعروف حاتم خاں) کے دربار سے متعلق رہے، ۱۲۸۰ء میں ولی عہد شہزادہ محمد (فرزند اکبر سلطان بلبن و سپہ سالار عساکر) سے دہلی میں ملاقی ہوئے۔ اس نے آپ کا کلام سنا اور چنانچہ انہیں اور ان کے دوست امیر حسن سنجری کو اپنے مصاحب بنا لیا۔ شہزادہ محمد کے ساتھ آپ ملتان چلے گئے۔ ملتان ان دنوں پنجاب اور سندھ صوبہ جات کے لیے مرکزی فوجی مقام تھا۔ اور صوفیاء، علماء، شعرا اور موسیقاروں کا گڑھ، ملتان کے قیام نے امیر خسرو کی شخصیت اور شاعری کو اور نکھار دیا۔ ملتان ہی میں خسرو نے اپنا دیوان "وسط الحیوٰۃ" ترتیب دیا۔ اور اسی شہر میں "قول ترانہ" ایجاد کیا۔ یہیں ترکی اور عربی سازوں کو پنجاب دلیس کے لوک گیتوں کے لئے استعمال کیا۔ ملتان میں ہی خسرو نے فقہ کی تحصیل و تکمیل کی اور عربی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔ قیام ملتان کو ساڑھے چار سال گزرے تھے کہ ایران کے حاکم ارغون خان بن اباق خاں بن ہلاکو خاں نے اپنے مقتولوں کا انتقام لینے کی غرض سے امیر تیمور خاں چنگیزی کو ۲۰ ہزار لشکر جرار دے کر لاہور

اور دیپال پور کے راستے ملتان پر لشکر کشی کے لئے بھیجا شہزادہ محمد سپہ سالار کو دشمن کے حملہ کی خبر بہت تاخیر سے ملی اس نے جلدی میں دریائے راوی پار کیا اور دشمن پر جھپٹ پڑا غنیم لپسپا ہوا لیکن شہزادہ کی فوج (جس میں سرحدی پٹھان شامل تھے) نے مال غنیمت کے لالچ میں دشمن کا پیچھا کرتے کرتے اپنی صفیں منتشر کر لیں۔ امیر خسرو میدان کارزار میں شمشیر زنی کرتے ہوئے منگولوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے۔ خسرو لکھتے ہیں کہ فتح قریب تھی کہ ہوا یکایک پلٹ گئی، شہزادہ محمد نماز مغرب میں مشغول ہوا کہ اتنے میں کمین گاہ سے حملہ ہو گیا۔ کسی منگول کا تیر شہزادہ کو لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ شہزادہ کی موت کے چند لمحوں بعد ملتان منگولوں نے فتح کر لیا اور شہر کو تاخت و تاراج کر دیا۔ منگول سوار خسرو کو قیدی بنا کر لے چلا۔ شدید گرمی کا موسم تھا (سال ۱۲۸۵ء) وہ خسرو کو رسی میں کھینچتا دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ پیاس بجھانے کے لئے منگول نے دریا کے کنارے گھوڑا ڈالا۔ سوار اور سواری نے ڈگڈگا کر پانی پیا ؎

ہم او سیراب شد ہم مرکبش سیر
نشد در دادن جاں ہر دو را دیر

وہ دونوں تو وہیں ڈھیر ہوئے۔ خسرو اپنے منہ پر چھینٹا مار، رسی کھول آزاد ہوئے دریا کنارے سے جنگلوں میں ہوتے ہوئے دہلی جا پہنچے، ملتان کی بربادی اور شہزادہ محمد کی موت کا مرثیہ سلطان بلبن کے دربار میں پڑھا۔ درباریوں اور فوجیوں نے اسے یاد کیا، گھر گھر یہ دلدوز کلام پہنچا اور خسرو کی شاعری نئے رنگ میں عوام کے گوش آشنا ہوئی۔

شہزادہ محمد شہید کی موت کے ایک سال بعد (۱۲۸۶ء) میں بلبن فوت ہوگیا، دہلی دربار سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا۔ بعض امراء نے سازش کر کے بغرا خاں کے بیٹے کیقباد

کو تخت پر بٹھا دیا۔ باپ بیٹے میں ٹھن گئی۔ دونوں کی فوجیں اجودھیا کے مقام پر آمنے سامنے ہوگئیں، لیکن پایاں کار باپ بیٹے میں صلح ہو گئی۔ اس نازک دور میں امیر خسرو اپنی والدہ کی خدمت میں قصبہ پٹیالی مقیم رہے۔ خسرو تقریباً دو سال تک اودھ کے گورنر حاتم خاں کی ملازمت میں رہے۔ اس ملازمت میں ان کا کچھ عرصہ دہلی اور باقی اجودھیا فیض آباد میں گزرا۔ دہلی واپسی پر بادشاہ نے ان کی بہت قدر دانی کی۔ امیر خسرو کی عمر اسوقت ۳۶ سال تھی۔ انہوں نے بادشاہ کی فرمائش پر ۳۹۴۴ شعروں پر مشتمل مثنوی لکھی جو تقریباً نصف سال میں (۱۲۸۸ء) میں تکمیل پذیر ہوئی کیقباد نے امیر خسرو کو ملک الشعراء بنایا اور سیم و زر سے مالا مال کر دیا۔ لیکن امیر خسرو نے وہ دولت غربا اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دی۔ انہی دنوں دہلی دربار میں ایک نیا چہرہ دکھائی دیا یہ حاکم سامانہ امیر فیروز خلجی تھا جسے شائستہ خاں کا خطاب، علاقہ بلند شہر کی جاگیر اور امیر خسرو کے نانا مرحوم کا عہدہ "عارض ممالک" دیا گیا۔ بعد میں یہی شخص جلال الدین خلجی کے لقب سے تخت دہلی پر رونق افروز ہوا۔ اس کے عہد میں امیر خسرو مصحف داری کے عہدہ پر مامور ہو گئے۔ اور ان کی تنخواہ بارہ صد تنکہ سالانہ مقرر ہوئی امیر خسرو نے جلال الدین فیروز خلجی کے ہمرکاب مانک پور کی فوجی مہم میں حصہ لیا۔ اور بعد میں راجپوتوں کے مضبوط قلعہ جات جھائن اور رنتھمبھور کے محاصروں کی مہمات میں بادشاہ کے ساتھ رہے۔ ان مہموں کے واقعات کا تذکرہ آپ کی مثنوی "مفتاح الفتوح" میں مذکور ہے۔

اس کے بعد تقریباً دو سال تک امیر خسرو دہلی میں جم کر بیٹھے رہے، خانقاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ پر آپ کی آمد و رفت بہت بڑھی۔ انہی دنوں آپ کا سب سے اہم دیوان غرۃ الکمال مرتب ہوا جس میں حمد و نعت کے بعد حضرت نظام الدین اولیاؒ کی

مدح لکھی گئی۔ اس دیوان میں غزلیں شامل نہیں کی گیئں۔ دیباچہ کے پر لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے فکر کو یونہی کفر و زندقہ میں صرف کیا اب احساس ہوتا ہے کہ بقیہ عمر اپنے فکر کو" در عالم وحدانیت صرف کر دوں"۔

جوانی کا دور اب رخصت ہونے لگا ہے۔ ادھیڑ عمر اور بڑھاپے میں بھی امیر خسرو ملازمت شاہی سے متعلق نظر آتے ہیں۔ لیکن آپ کسی ایک حالت یا حکومت سے اتنے بندھ نہیں گئے۔ کہ نظام حکومت کے درہم برہم ہونے میں یا دربار کے سیاسی مدو جزر میں خود بہہ گئے ہوں، کسی نے خوب کہا ہے کہ۔ حدّ نظر سے آگے تک پھیلی ہوئی یہ دنیا خسرو کے نزدیک ہر ایک حد بندی سے آزاد تھی۔

اختصار کے پیش نظر ہم یہاں امیر خسرو کے آثار عظیمہ و خصوصی کا خاکہ پیش کرتے ہیں

حضرت امیر خسروؒ کے آثار عظیمہ و خصوصی

(الف) دواوین	سال تصنیف
۱۔ پہلا دیوان بنام "تحفۃ الصغر"	۶۷۱ھ بعمر ۲۰ سال۔
۲۔ دوسرا دیوان بنام "وسط الحیاۃ"	۶۸۳ھ بعمر ۳۲ سال۔
۳۔ تیسرا دیوان بنام "غرۃ الکمال"	۶۹۳ھ بعمر ۴۲ سال۔
۴۔ چوتھا دیوان بنام "بقیہ نقیہ"	۷۲۱ھ بعمر ۷۰ سال۔
۵۔ پانچواں دیوان بنام "نہایۃ الکمال"	آخر عمر۔

(ب) تاریخی مثنویاں ـــ

۱۔ قران السعدین ـــ ۶۸۸ھ بعمر ۳۷ سال

۲۔ مفتاح الفتوح - ۶۹۱ھ بعمر ۴۰ سال

۳۔ عشیقہ یا دول رانی خضر خاں - ۷۱۵ھ بعمر ۶۴ سال

۴۔ نہ سپہر - ۷۱۷ھ بعمر ۶۶ سال

۵۔ تغلق نامہ - آخر عمر -

(ج) خمسہ یا مثنویات پنج گنج

۱۔ مطلع الانوار۔ بجواب مخزن الاسرار از نظامی گنجوی - ۶۹۸ھ دو ہفتہ کے اندر مکمل ہوئی۔

۲۔ شیریں و خسرو بجواب خسرو و شیریں - ۶۹۸ھ بعمر ۴۳ سال -

۳۔ مجنوں و لیلیٰ بجواب لیلیٰ و مجنوں - ۶۹۸ھ بعمر ۴۳ سال -

۴۔ آئینہ سکندری بجواب سکندر نامہ - ۶۹۹ھ بعمر ۴۸ سال

۵۔ ہشت بہشت بجواب ہفت پیکر - ۷۰۱ھ بعمر ۵۰ سال -

(د) دیوان غزلیات -

(ہ) نثری تصنیفات -

۱۔ اعجاز خسروی (رسائل الاعجاز) ۷۱۹ھ میں مکمل ہوئی -

۲۔ تاریخ علائی (خزائن الفتوح) ۷۱۱ھ

۳۔ افضل الفوائد / بہ تقلید فوائد الفواد از حسن سنجری -

(و) ہندوی :- / منظومات -

عہدِ خسرو کے سلاطین دہلی

۱۔ محمد غیاث الدین بلبن ۶۶۴ - ۶۸۶ھ - ۱۲۶۵ء - ۱۲۸۷ء

۲۔ معز الدین کیقباد۔ ۶۸۶۔ ۶۸۹ھ ۱۲۸۷ء۔ ۱۲۹۰ء

۳۔ جلال الدین فیروز خلجی۔ ۶۸۹۔ ۶۹۵ھ ۱۲۹۰ء۔ ۱۲۹۵ء

۴۔ مبارک شاہ قطب الدین خلجی۔ ۷۱۶۔ ۷۲۰ھ ۱۳۱۶ء۔ ۱۳۲۰ء

۵۔ غیاث الدین تغلق۔ ۷۲۰/ ۷۲۵ھ ۱۳۲۰ء۔ ۱۳۲۴ء

۶۔ محمد بن تغلق۔ ۷۲۵/ ۷۵۲ھ ۱۳۲۴ء۔ ۱۳۵۱ء

خسرو کے اولیائے نعمت اور ملازمتیں

۱۔ کشلو خاں عرف ملک چھجو، برادر زادہ سلطان بلبن۔ ۲ سال

۲۔ بغرا خاں ابن سلطان بلبن۔ ۳ سال۔

۳۔ سلطان محمد فرزند بزرگ سلطان بلبن۔ ۵ سال۔

۴۔ امیر علی حاتم۔ ۲ سال۔

۵۔ سلطان معز الدین کیقباد۔ ۱ سال ملک الشعراء کا خطاب ملا

۶۔ جلال الدین فیروز خلجی۔ ۵ سال ملک الشعراء کے ساتھ امیر بھی بنائے گئے۔

۷۔ محمد علاء الدین خلجی۔ ۲۰ سال۔

۸۔ مبارک شاہ قطب الدین خلجی۔ ۴ سال۔

۹۔ غیاث الدین تغلق۔ ۴ سال۔

بیعت و مسلک

امیر خسرو سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلوی کے مرید ہوئے، اور ان پہ دیوانہ وار فدا تھے۔ آپ کے پیر طریقت بھی ان سے بے پناہ لگاؤ

رکھتے تھے اور جملہ مریدان میں سے آپ پر ہی خصوصی توجہ مبذول فرماتے ۔

حضرت امیر خسروؒ کا سلسلۂ روحانی یوں ہے

خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ۔ (ولادت ۲۶۰ھ / وفات ۳۵۵ھ)

خواجہ عثمان ہارونیؒ۔ (ولادت ۵۳۰ھ / وفات ۶۱۷ھ)

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔ (ولادت ۵۳۷ھ / وفات ۶۲۳ھ)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ (المتوفی ۶۳۳ھ)

بابا فرید گنج شکرؒ (المتوفی ۶۶۴ھ)

محمد نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی سلطان الاولیاء ابن احمد غزنوی ابن علی دانیال بخاری (ولادت ۶۳۴ھ / وفات ۷۲۵ھ)

حضرت نظام الدین اولیاءؒ اکثر فرماتے تھے کہ جب روز قیامت اللہ جل شانہٗ سوال کریں گے کہ نظام الدین کیا لائے ہو تو خسرو کو پیش کر دوں گا ۔ ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ اگر شریعت اسلامی ایک قبر میں دو اشخاص کی تدفین کو جائز قرار دیتی تو میں وصیت کرتا کہ خسرو بھی میری قبر میں دفن کر دئے جائیں ۔

روایت ہے کہ کئی موقعوں پر حضرت نظام الدین نے دعا مانگتے ہوئے امیر خسرو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے التجا کی کہ "یا الٰہی بسوز سینۂ ایں ترک مرا بخش"

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ خسرو میرا صاحب اسرار ہے ۔ اس کے بغیر میں بہشت میں بھی قدم نہ رکھوں گا ۔ حضرت امیر خسرو کو محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء نے "ترک اللہ" کے خطاب سے نوازا تھا ۔ جیسا کہ خسرو خود فرماتے ہیں ۔

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت

دست ترک اللہ بگیرد ہم باللہش سپار

چوں من مسکین ترا دام ہم نیم بس بود
شمع من بس مہرباں وخالقم امر زنگار

معمولات

امیر خسرو ہر شب تہجد میں سات سپارے قرآن مجید کے پڑھتے تھے۔ دن کے وقت جملہ امور دنیوی سے فراغت پاتے ہی خدمت پیر و مرشد میں حاضر ہو جایا کرتے۔ نماز عشاء کے بعد ان کی خدمت میں مریدوں کے حالات عرض کیا کرتے۔ اور بعض کی خطا معاف فرماتے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ امیر خسرو تقریباً

چالیس برس صائم الدہر رہے، حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے قابلِ فخر مرید کی توصیف میں ایک رباعی یوں فرمائی۔

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیت ملک سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

امیر خسرو سماع کے بہت رسیا تھے۔ اور یہ ان کے بزرگان سلسلہ کا بھی معمول تھا۔ جب طبیعت اور جسم پوری چوٹ کھا جائے تو ان کا حق ہے کہ سماع سے قوت و تازگی حاصل کریں۔ بے محل نہ ہوگا اگر سماع کے ضمن میں حضرت امام غزالی کی کیمیائے سعادت کا حوالہ اختصار کے ساتھ یہاں نقل کر دیا جائے، جاننا چاہیئے کہ آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے۔ جیسے آگ لوہے اور پتھر میں۔ جیسے کہ لوہا پتھر پہ مارنے سے آگ ظاہر ہوتی ہے۔ اور صحرا میں

آگ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح خوش نما اور موزوں آواز کا سننا آدمی کے دل میں جنبش پیدا کر دیتا ہے۔ اور بے اختیار اس میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے۔ خوش و موزوں آواز بھی اس عالم کے عجائبات سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دل میں آگاہی پیدا ہوتی ہے، اور حرکت و شوق کو ظاہر کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ آدمی خود نہ جانے کہ وہ کیا ہے۔ اور یہ بات ایسے دل میں پیدا ہوتی ہے جو سادہ ہو اور عشق و شوق جو اس راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس سے خالی ہو۔ اور اگر وہ خالی نہ ہو اور کسی شے سے مشغول ہو۔ اور جس چیز کے ساتھ مشغول ہو وہ اس کے حرکت میں آتی ہے جیسے آگ پھونک مارنے سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور جس کے دل میں حق تعالیٰ کے عشق کی آگ ہو تو سماع اس کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے

اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ اس کے دل میں تیز ہوتی ہے۔

نقل ہے کہ مورخہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۷ ھ کو حضرت نظام الدین اولیاء نے امیر خسرو پر خاص لطف فرمایا کہ ..... کلاہ چار ترکی بر سر نیدہ نہادند و بشرف بیعت مشرف گردانیدند۔ الحمد للہ ......"

ٹوپی کے چار گوشوں کی وضاحت یوں بیان ہوئی ہے کہ اوّل خانہ شریعت کا مظہر ہے۔ دوسرا طریقت کا، تیسرا معرفت کا خانہ اور چوتھا خانہ حقیقت کا۔ ایک روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ حضور پُر نور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ترک والی ٹوپی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سر پر، دو ترک والی ٹوپی حضرت عمر فاروقؓ کے سر پر رکھی۔ تین ترک والی ٹوپی حضرت عثمان غنیؓ کو عطا فرمائی اور چار ترک والی ٹوپی حضرت علی مرتضیٰؓ کو بخشی پھر چاروں کے الگ الگ مراتب

بیان کر کے لکھا ہے کہ چہار ترک والی ٹوپی اصحاب صُفّہ و سادات و طبقہ مشائخ کرام بر سر نہادند"

سخاوت

باوجود اتنی بڑی دنیاوی پوزیشن اور جاہ و جلال کے امیر خسروؒ نے فقر و درویشی میں ہی زندگی گزاری۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو مال متاع ہاتھ آیا غربا و مساکین کو فوراً ہی دے ڈالا۔ ان کی داد و دہش کا ایک بڑا مشہور واقعہ یہ ہے کہ کوئی شخص حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اپنی ناداری اور قرض کا ذکر کیا۔ آپ نے کہا آج جو فتوح ہوگا۔ تجھ کو دے دوں گا لیکن حسن اتفاق سے اس روز کچھ فتوح نہ ہوا۔ آپ نے اُسے اپنی نئی جوتی دے دی اور کہا کہ اللہ پاک فضل کرے گا۔ وہ سائل جوتی لے کر دہلی سے اپنے وطن روانہ ہوا، راستے میں بادشاہ کا لشکر ملا۔ یہ گزر رہا تھا کہ امیر خسروؒ کی نظر اس مرد پر پڑی۔ گھوڑا روک کر حال احوال پُوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ دہلی سے آ رہا ہوں۔ آپ نے کہا کہ تیرے پاس سے مجھ کو بوئے شیخ آتی ہے۔ شاید ان کی کوئی چیز تیرے پاس ہے۔ درویش نے کہا کہ ان کی جوتیاں میرے پاس ہیں۔ جو انہوں نے مجھ کو عطا کی ہیں۔ خسرو نے پوچھا کہ فروخت کرے گا۔ اس نے اقرار کیا۔ اس پر امیر خسروؒ نے پانچ لاکھ روپیہ کا جو صلہ انہیں قصیدہ لکھنے پر بادشاہ دہلی نے دیا تھا۔ کل اس کو دے کر وہ جوتیاں لے لیں اور انہیں اپنے سر پر رکھ کر پا پیادہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرتِ نظام الدین اولیاءؒ نے جوتیوں کی قیمت کا پوچھا اور خسرو نے ادا کردہ رقم کی بابت جوابًا عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا بخدا بچہ ترک ارزاں خرید کردہ۔ آپ نے عرض کیا کہ حضور اس درویش نے اسی پر اکتفا کیا۔ وگرنہ تمام جان و مال ان جوتیوں

کے بدلے وہ طلب کرتا تو میں سب دے کر جوتیاں لے لیتا۔

وفات

آپ سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ بنگال کی ایک مہم پر گئے ہوئے تھے کہ آپ کو حضرت نظام الدین اولیاؒ کی رحلت کی خبر ملی۔ اس صدمہ سے آپ پر ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوئی، زار و قطار روتے دہلی روانہ ہوئے، درباری خدمت ترک کی اور اپنی تمام جائیداد اور مال و املاک راہِ خدا میں خیرات کر کے روضہ پیر پر مجاور ہو گئے، چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں واصل باللہ ہو کر حضرت نظام الدین کی پائنتی دفن کئے گئے۔ آپ کا مشہور ہندی شعر جو حضرت کی قبر کی زیارت کے وقت بے ساختہ آپکی زبان سے جاری ہوا۔ آج بھی زبان زدِ عام ہے اور قوال اکثر اسے قوالیوں میں پیش کرتے ہیں،

گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارو کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چو دیس

امیر خسرو ۱۷ شوال ۷۲۵ھ بروز چہارشنبہ کو فوت ہوئے اور اگلے روز آپ کے جسدِ خاکی کی تدفین ہوئی، آپ کی قبر پر خوبصورت سنگ مرمر کا مقبرہ خواجہ مہدی نے جو شہنشاہ بابر کے امراء سے تھے نے تعمیر کرایا تھا۔ اور ملا شہاب معمائی نے آپ کی تاریخ وفات لکھی جو لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

شد عدیم المثل یک تاریخ او
واں دگر شد طوطئ شکر مقال

امیر خسروؔ کے چند منتخب اشعار اور ترجمہ

اے چہرۂ زیبائی تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت میکنم درحسن ازاں بالا تری

اے میرے محبوب تیرا مکھڑا بتانِ آذری کے لئے رشک کا باعث ہے، میں تیرے حسن کی جتنی بھی تعریف کروں تو اس سے بالاتر ہے۔

آفاق را گرد یدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

میں دنیا کے چاروں کھونٹ گھوما اور بتوں کی محبت کا تجربہ کیا۔ بہت سے حسینوں کو دیکھا مگر تو کچھ اور ہی شے ہے۔

خسروؔ غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا۔ سوئے غریباں بنگری

تیرے شہر میں آن پڑا ہوا خسرو پردیسی اور فقیر ہے۔ تجھے چاہیئے کہ برائے خدا مسافروں کی طرف نظر کرے۔

ای خوش آں شب کہ بیادِ رُخِ تو می خفتم
در دِلم بودی و در خواب ہماں می دیدم

کیا ہی اچھی رات تھی جب میں تیرے رُخ کی یاد میں سویا تھا تو میرے دل میں تو تھا ہی۔ خواب میں بھی تجھے ہی دیکھا۔

بدیدہ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم
کزاں نظر ز تو بر بدئ دیگری آرم

جن آنکھوں سے تیرا جلوہ دیکھا مجھ میں یارا نہیں کہ اسکو دوسرے چہرے پر ڈالوں

حکیم گفت شناسم بہ عقل یزداں را
زہی کمالِ حماقت و ایں چہ گفتار است

حکیم کہتا ہے کہ میں خدا کو عقل سے پہچانتا ہوں۔ اس کمال حقیقت کے کیا کہنے! یہ بھی کوئی بات ہوئی۔

یک مُردہ اگر عیسیٰ کردی بدعا زندہ
صد مردہ کنی زندہ ای شوخ بہ دشنامی

حضرت عیسیٰؑ اگر دعا سے ایک مردہ زندہ کرتے تھے تو۔ تو (معشوق) ایک گالی سے سو مردے زندہ کر دیتا ہے۔

کجا بودی اے اختر نیک فال
کہ مہ رفتی و آفتاب آمدی

اے شبھ شگن کے تارے (محبوب) چاند جا چکا۔ سورج آگیا۔ تو اب تک (رات) کہاں تھا؟

دعائی بد نخواہم کرد لیکن ایں قدر گویم
کہ یارب مبتلا گردی چو من روزی بہجرانی

بد دعا نہیں کرتا۔ فقط اتنا کہتا ہوں کہ خدایا وہ بھی میری طرح ایک دن ہجر میں مبتلا ہو۔

با چشمِ آہونہ کہ شیراں کند شکار
ای آہوئے رمیدہ شکارِ کہ بودۂ

اپنی آہو چشمی سے شیروں کو شکار کرنیوالے آہوئے رمیدہ! تم خود کس کا شکار رہے۔

آں کیست کہ می آید صد لشکرِ دل با او
درویشِ جمالش ما، سلطانِ دلِ ما او

دلوں کے سو لشکر کے ساتھ یہ کون آ رہا ہے؟ ہم تو اس کے جمال کے بھکاری ہیں اور وہ ہمارے دلوں کا راجا۔

ہستم بخیال خود من با او و او با من
یارب چہ خیالست ایں اینجا من و آنجا او

میں بخیال خود اس کے ساتھ تھا اور وہ میرے ساتھ۔ خدایا یہ کیسا خیال تھا، وہ کہیں ہے اور میں یہاں ہوں۔

چوں باز نیامد ز بُت و بتکدہ خسرو
اصلاحِ مزاجِ سگِ دیوانہ چہ کوشم

خسرو بت و بتخانہ سے باز نہیں آسکتا۔ وہ سگِ دیوانہ ہے۔ اسکی اصلاح مزاج نہیں ہو سکتی۔

بودہ است ز ہوش و دلم اندیشۂ تیمار
المنۃ للہ کہ نہ دل ماند نہ ہوشم

ہوش و دل کی موجودگی میں بیماری، پھر تیمارداری کا اندیشہ رہتا ہے۔ معبود کا احسان کہ اب نہ دل ہے نہ ہوش۔

در کعبہ و بت خانہ ہر جا کہ رود خسرو
دل با درِ تو بد خوا دیوار ہماں دیہ دل

خسرو چاہے کعبہ میں ہو یا بت خانہ میں، ہر جگہ اس کا دل تیرے در پر لگا رہتا ہے۔ اور تیری دیوار دل میں بسی رہتی ہے۔

دانا لب تو اگر بہ بوسد
فتوی نہ دہد کہ مے حرام است

سمجھ دار شخص اگر تیرے لب کو چوم لے تو اس میں اتنی مستی ہو گی کہ وہ شراب کے حرام ہونے کا فتویٰ نہ دے گا۔

یک موئے ترا ہزار دام است
یک روئے ترا ہزار نام است

اے محبوب تیرے ایک بال کا دام ہزار۔ اور تیرے ایک چہرے کا نام ہزار ہے۔

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند
یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

معلوم نہیں میرے پرانے یار دوست کیا ہو گئے۔ خدایا کون سا منحوس دن تھا جب وہ مجھ سے جدا ہوئے تھے کہ اب تک لاپتہ ہیں۔

خبری دہ بمن اے باد کہ جاناں چوں است
آں گل تازہ و آں غنچۂ خنداں چوں است

اے ہوا! مجھے میرے معشوق کا حال سنا۔ میرا وہ گلِ تازہ اور غنچۂ خنداں کس عالم میں ہے۔

دیوانہ گشت خلق کہ از سحر چشم او
ہر دم بشہر فتنہ و غوغائی دیگر است

اس کے سحر چشم نے خلقِ خدا کو پاگل سا کر دیا ہے۔ اس لئے شہر میں اب آئے دن فتنہ و غوغا مچا رہتا ہے۔

برِ دیگراں نوشت بسی نامۂ وفا

بر حاشیہ سلام ہم از من دریغ داشت

معشوق نے دوسروں کو اکثر وفا کے خط لکھے مگر مجھے خط کے کنارے پر بھی سلام لکھنے سے گریز کیا۔

ہمہ کس را خور و خواب و منِ بیچارہ نخواب

اے خوش آں وقت کہ خوابی و خوری بود مرا

سارا عالم سو رہا ہے۔ اور میں تارے گن رہا ہوں۔ ہائے کیا وقت تھا وہ کہ جب مجھے بھی میٹھی نیند ملتی تھی۔

دلِ من پارہ گشت از غم نہ زانگونہ کہ برگردد

اگر جاناں بدیں شاد است یارب پارہ بر نادا

غم سے میرا دل اس طرح پارہ ہوا ہے کہ پھر اپنی پرانی حالت پر پلٹ نہیں سکتا بیکن اگر محبوب کی خوشی اسی میں ہے تو خدایا یہ دل اور زیادہ پارہ پارہ ہو جائے۔

چہ پوشی پردہ بر روئی کہ آں پنہاں نمی ماند

دگر بے پردہ می داری تنی را جاں نمی ماند

نقاب سے تیرا چہرہ چھپنے والا نہیں اور اگر تو بے پردہ ہو جائے گا تو کسی جسم میں جان نہ رہ جائے گی۔

یک قدم بر جاں خود نہ یک قدم در کوئے دوست

زیں نکوتر رہروانِ عشق را رفتار نیست

عشق کے راہرو کے لیے اس سے بہتر رفتار نہیں کر وہ ایک پیر کوئے جاناں میں رکھے اور دوسرا اپنی جان پر۔

عقل دردِ سر است ایں معنی
عارفاں عاشقِ جنوں باشند

عارف کیلئے عقل دردِ سر ہے۔ کیونکہ وہ جنوں کا عاشق ہوتا ہے۔

خسروا گر عاشقی سر بہ میاں آر از انکہ
ہر کہ دریں راہ رفت سر بہ سلامت نہ برد

اے خسرو اگر تم عاشق ہو تو سر دے دو کیونکہ اس راہ میں کسی کا سر سلامت نہیں رہا ہے۔

ما دعشق یار اگر در قبلہ گر در بت کدہ
عاشقانِ دوست را با کفر و ایمان کار نیست

قبلہ ہو یا بت کدہ ہر جگہ یار کا عشق میرے ساتھ رہتا ہے۔ دوست کے عاشقوں کو کفر و ایماں سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

عاشقی ام کہ گر آواز دہی جانِ مرا
دوست از سینہ ام آواز بر آرد کہ منم

میں ایسا عاشق صادق ہوں کہ اگر تم میری جان کو آواز دو گے تو جواب میں میرے سینے سے دوست بولے گا۔ ہاں میں ہوں

ہستی من رفت و خیالش بماند
ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

میری ہستی مٹ گئی اور اس "یار" کا خیال رہ گیا یہ جو تم دیکھ رہے ہو وہ میں نہیں ہوں بلکہ وہ "یار" ہے۔

ہر دم بہ خوشدلی بر آید
سرمایۂ حاصل جوانی است

جو سانس بھی خوش دلی میں گزر جائے وہی جوانی کا حاصل کیا ہوا سرمایہ ہے۔

رہ نہ برد سوئے خموشاں کسے
زخم خورد مرد سخن گو بسی

جو چپ ہے اس کا رخ کوئی نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر زخم مرد سخن گو کو کھانے پڑتے ہیں۔

مسلماناں گرفتارم بدستِ نامسلمانی
ازیں دیوانہ بدمستی و بدخوئی و نادانی

مسلمانو! میں ایک نامسلمان کے ہاتھ میں گرفتار ہوں۔ جو دیوانہ و بدمست و بدخو اور ناداں ہے۔

کج کلہا ستمگرا تنگ قبائی کیستی
لابہ گرا و دلبرا عشوہ نمائی کیستی۔

اے کج کلاہ، ستمگر، تنگ قبا، فریبی، دلبر، ناز و انداز نما، تو کس حال میں ہے؟

بیٹی کی تعریف اور اسے نصیحت

امیر خسروؒ (مطلع الانوار)

اے رخِ تو چشم و چراغ دلم — خوب ترین میوہ زباغِ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختر اند — نے زتو در دیدۂ و دل بہتر اند
گاہ تماشا بدل باغباں — سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود — بے صدف تازہ گہر کے شود

بخت کہ فال تو ہمایوں نہاد
نام تو مستورہ میموں نہاد

ترجمہ:-

۱- اے کہ تیری صورت میرے دل کا چشم و چراغ اور باغِ دل کا بہترین میوہ ہے۔
۲- گو تیرے بھائی تیرے ہی جیسے خوش اقبال ہیں مگر میرے لئے تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔
۳- سرو کے پودے کو جس طرح باغبان کا دل پیار سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح سوسن کو بھی دیکھتا ہے۔
۴- اگر لڑکی کا وجود نہ ہوتا تو لڑکا کہاں سے آتا۔ بغیر تازہ سیپ کے موتی کا وجود نہیں ہو سکتا۔
۵- تیرا نصیب جو کہ تجھے فرخندہ شگون دیتا ہے۔ وہ تجھے پردہ کے لئے تاکید کرتا ہے۔

اشعار منقبت در شان

حضرت خواجہ امیر خسروؒ دہلوی

اے خسروِ سخن ز تو روشن جہانِ عشق
گم کردہ راہ یافتہ از تو نشانِ عشق

شرحِ غمِ فراق و حدیث جمالِ یار
رنگیں ز سوز و ساز تو ہر داستانِ عشق

اہلِ حرم ز نغمۂ تو مست و شاد کام
دیرو دیارِ ہند ز تو درس خوانِ عشق

کردی شکارِ خلق و بہ فتراک بستۂ ای
تیرِ صفا نگاہِ تو، تہبہ کمانِ عشق۔

نازاں بہ رنگ و بوئے تو ہر شاخسارِ شوق
خنداں و پُر بہار ز تو گلستانِ عشق

(سردار علی احمد خان)

حضرت سید صدرالدین راجو قتالؒ آپ مخدوم جہانیاں جلال الدین کے چھوٹے بھائی تھے اور انہی سے تعلیم یافتہ تھے سیف زبان تھے۔ ہمیشہ مستغرق بخدا رہتے۔ دوسرے سے کام نہ رکھتے تھے حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات کے بعد دہلی گئے۔ سلطان فیروز شاہ نے آپ کی پیشوائی کی۔ تمام عمائد دہلی آپ کے حلقۂ ارادت (سلسلہ سہروردیہ) میں آگئے۔

۱۶ جمادی الآخر ۸۲۷ھ میں واصل حق ہوئے مزار دہلی میں ہے۔

شیخ صلاح الدینؒ آپ حضرت صدرالدین کے خلیفہ تھے اور سلسلہ چشتیہ میں حضرت نصیرالدین چراغ دہلی سے فیض یافتہ تھے ۷۴۰ھ میں وفات پائی آپ کا مقبرہ چراغ دہلی کی درگاہ سے آگے ہے۔

شیخ وجیہہ الدین عثمان سیاح سنامیؒ آپؒ کے والد کا نام قاضی حمیدالدین منہاج تھا۔ سنام (مشرقی پنجاب) سے دہلی آئے اور دفتر سلطان میں ملازمت اختیار کی۔ ایک روز دریائے جمنا کی طرف گذر ہوا جس کے کنارے پر ایک گوشہ میں حضرت رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانی نماز پڑھ رہے تھے آپ کے دل میں ایسی محبت پیدا ہوئی کہ شیخ کی قدم بوسی کے بعد بیعت سے مشرف ہوئے ملازمت ترک کر کے شیخ کے ہمراہ ملتان آگئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہ کر روحانی تعلیم کی تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ بلاد اسلامیہ کی سیاحی کے باعث لقب سیاح ہوا۔ سوائے ایک تہہ بند کے دوسرا کپڑا نہ رکھتے تھے سیاحت کے بعد دہلی پہنچ کر حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں آگئے اور چشتیہ فیضان حاصل کیا ۷۳۸ھ میں فوت ہوگئے دہلی میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ حمیدالدین ابوالحاکم قریشی ہنکاریؒ آپ ۱۲ ربیع الاول ۷۵۰ھ میں بی بی حاج بنت شہزادہ بہاؤالدین ولد سلطان قطب الدین کے بطن سے تولد ہوئے تین برس کے تھے کہ آپ کے دادا نے انتقال کیا۔ ان کے بعد آپ کے والد دس برس سلطنت کر کے حرمین شریفین چلے

گئے اور تجرید و تفرید کے ساتھ چودہ برس یادالٰہی میں مشغول رہے۔ شیخ حمید الدین بادشاہ ہوئے لیکن ایک سال بعد شاہی ترک کر کے اپنی زوجہ کے ساتھ لاہور وارد ہوئے اور اپنے جد مادری حضرت سید احمد توختہ کے مرید ہوئے اور طریقہ شطاریہ میں خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے بعد میں شیخ رکن عالم ملتانی کے مرید ہو کر کمال ولایت کو پہنچے۔ آپ کی وفات ۱۷۶ برس کی عمر میں ۶۷۲ھ میں ہوئی دہلی میں آسودہ ہیں۔

حضرت سیّد نورالدین مبارک غزنویؒ

خاک پاک دہلی میں آسودہ ہیں آپ پہلے شیخ اجل شیرازی کے مرید ہوئے اور بعد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ نقل سکونت کر کے دہلی آئے جہاں سلطان شمس الدین نے آپ کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ آپ کا سن وفات ۶۳۲ھ ہے۔

شاہ بڑے صاحبؒ دہلوی

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ سے منسلک تھے صاحب کرامت و خوارق بزرگ تھے۔ صحیح النسب سیّد تھے آپ کے ابتدائی حالات نہیں ملتے۔ دہلی میں آپ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وارد ہوئے۔ آپ کا مزار دریائے جمنا کے اندر جزیرہ نما قطعۂ خشکی پر تعمیر شدہ ہے یہ جگہ ہندوؤں کی شمشان بھومی نگم بودھ (نواح لال قلعہ) کے نزدیک واقع ہے۔ جمنا میں کتنی ہی طغیانی آئے لیکن آپ کے تکیہ و مزار پر کبھی پانی نہیں چڑھتا

جس زمانہ میں آپ دہلی تشریف لائے ان دنوں برائے امتحان نووارد فقراء کو بحکم بادشاہ گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیتے تھے۔ آپ کو بندی خانہ میں ڈال دیا گیا اور داروغہ نے چکی پیسنے کے لئے دال آپ کو دی۔ آپ نے دال ڈال کر چکی کی طرف نظر کی وہ خود بخود چلنے لگی۔ تمام قیدیوں نے یہ ماجرا دیکھا اور آپ سے عرض کی کہ ان کی خلاصی کرائیں آپ نے بلند آواز سے کہا کہ بحکم خدا دانہ دلو۔ تمام چکیاں فی الفور چلنے لگیں اور دانہ ان میں پڑنے اور دلا جانے لگا یہ ماجرا دیکھ کر داروغہ نے تمام ماجرا بادشاہ کے گوش گزارا بادشاہ بندی خانہ میں بذاتِ خود آیا اور سب کی رہائی کا حکم دیا۔ سیّد بڑے صاحب کو

بادشاہ اپنے ساتھ لے گیا اور بڑی عزت واکرام کے ساتھ ایک عمدہ مکان میں آپ کو رکھا۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے آپ کو خانقاہ کی تعمیر کے لئے جگہ اور رقم دینے کا کہا۔ آپ نے کہا چار کوڑی اینٹیں منگوائی جائیں اور ہم دونوں کشتی پر دریائے جمنا کی سیر کریں گے جہاں اینٹیں چھوڑی جائیں اور ٹھہر جائیں اسی جگہ فقیر کا تکیہ ہوگا اینٹیں جس جگہ گریں پانی وہاں سے ہٹ گیا اور آپ کی خانقاہ اسی جگہ تعمیر کی گئی۔ یہ تکیہ اور مزار آج تک موجود ہے اور مرجع خلائق ہے۔

سید شاہ بڑے صاحب کے ایک صاحب سجادہ میاں قادر بخش مجذوب تھے دن بھر دلی کے گلی کوچوں میں پھرتے جس کے گھر میں گھس جاتے اور کوئی چیز چاہتے اٹھا کر کسی کو دے دیتے۔ کوئی شخص مانع یا معترض نہ ہوتا تھا ایک دن لال قلعہ کے ناظر کا دوشالہ اتار لائے اور قلعہ سے باہر آکر اس میں پتھر رکھے شمرو کی بیگم کے باغ میں سے ایک بڑا سانپ پکڑ لائے اس کی رسی بنا کر گٹھڑی کو باندھا۔ سانپ کا پھن اپنے منہ میں لے کر گانٹھ دی اور اس کو سڑک پر رکھ دیا۔ راہ گیروں سے کہتے رہے کہ جو چاہے لے جائے مگر سانپ کو نہ مارے لیکن کوئی شخص بھی مارے دہشت کے نزدیک تک نہ گیا۔ کچھ دیر بعد آپ نے وہ گٹھڑی اپنے سر پر رکھی اور کوٹلہ فیروز شاہ کی طرف چل دیئے۔ کتنے ہی لوگ آپ کے پیچھے ہو لئے آپ نے کوٹلہ کے ویرانہ میں وہ گٹھڑی پھینک دی اور اپنے تکیہ کی راہ لی۔ چند ثانیے گزرے تھے کہ وہ گٹھڑی نظروں سے غائب ہو گئی لوگوں نے دوڑ کر دریافت کیا کہ حضرت وہ گٹھڑی کس کو دے آئے فرمایا کہ وہ پتھر سونے کے تھے جب کسی انسان نے نہ لئے تو ہم نے جنوں کو دے دیئے۔ میاں قادر بخش بعض اوقات دریائے جمنا سے اس طرح گذر جاتے تھے کہ پیر کا تلوا تک تر نہ ہوتا تھا۔ اپنے پیر کے تکیہ میں دفن ہیں۔

حضرت سید حسین طوسیؒ ان حضرت کا مدفن مسجد قوت الاسلام (قطب مینار) کے جنوبی دروازہ کی جانب ہے اور آج کل یہ درگاہ امام ضامن مشہور ہے۔ سید حسین طوس سے ہجرت کر کے دہلی آئے تھے۔ آپ کامل درویش تھے کسی سے کچھ طلب نہ کرتے تھے۔ کھیتی باڑی سے روزی پیدا کیا کرتے تھے ز

لذات میں اس درجہ بڑھے کہ اپنا عضو تناسل کاٹ کر پھینک دیا سن وفات ۹۴۲ھ ہے

مولانا غلام نصیر الدین عرف کالے صاحبؒ

آپ مولانا قطب الدین کے فرزند اور مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت فخر الدین فخر جہاں کے آپ پوتا تھے علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ تھے زہد و تقویٰ میں یگانہ۔ کچھ عرصہ تونسہ شریف (پاکستان) میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی سے ہم صحبت رہے۔ آپ کم بولتے اور قلیل غذا کھاتے تھے۔ بدنی اعتبار سے نہایت شہ زور تھے۔ بہادر شاہ ظفر کو آپ سے بڑی عقیدت تھی اور وہ کئی بار آپ کی خدمت میں بھی گئے۔ مرزا اسد اللہ غالب بھی آپ کے عقیدت کیشوں میں سے تھے۔ بادشاہ دہلی نے کالے صاحب کی خانقاہ کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا جو اخراجات عرس و نیاز کے علاوہ تھا۔ کالے صاحب کے نکاح میں ایک شہزادی تھی جن کے بطن سے وجیہہ الدین، امین الدین اور کمال الدین صاحبزادگان تولد ہوئے۔ آپ کی دوسری زوجہ سید زادی تھیں جن سے نظام الدین اور غلام معین الدین پیدا ہوئے۔

سر سید احمد خان نے آثار الصنادید میں تحریر کیا ہے کہ کالے صاحب ایسا نامی گرامی شیخ اس زمانے میں نہیں ہے حضور والا بہادر شاہ ظفر) اور تمام سلاطین (مغلیہ شہزادے) و جمیع امراء غلام آپ کے نہایت معتقد ہیں آپ ۱۸۴۷ء میں فوت ہوئے مہرولی قطب صاحب میں مزار ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد کالے صاحب، کی املاک بھی سرکار برطانیہ ضبط ہو گئی تھیں۔

شیخ احمد نہروانیؒ

قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کے متعلق حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حق کی مشغولی میں شیخ احمد نہروانی اکیلے دس صوفیوں کے برابر ہیں حضرت نہروانی واقف اسرار حقیقت تھے۔ قطب صاحب کی وفات کے وقت دہلی میں موجود تھے ۶۲۴ھ میں وفات پائی مزار شریف دہلی میں ہے۔

شیخ داؤد پالہیؒ

آپ کا وطن رودلی (اترپردیش) تھا ۶۷۹ھ میں فوت ہوئے مزار حوض شمسی دہلی میں تھا اب نشان نہیں ملتا۔ حضرت موصوف بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنیؒ کے خلفا میں سے تھے اور حضرت نظام الدین اولیاء کے ہمعصر

تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر روز جنگل میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے، ہرن آپ کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ گھر آنے لگتے تو ہرن جنگل میں منتشر ہو جاتے۔ ایک مرتبہ دوران سفر حضرت محبوب الٰہی کے ساتھ تھے کوس دو کوس چل کر صلوٰۃ و عبادت میں مشغول ہوتے، نظام الدین محبوب الٰہی جلد عبادت سے فارغ ہو کر چل دیتے لیکن یہ ان سے آملتے گویا اتنا تیز چلتے تھے۔

سید محمد بن سید محمود کرمانیؒ آپ کرمان سے بغرض تجارت لاہور آئے پھر وہاں سے پاک پتن شریف پہنچ کر حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے مرید ہوئے اور خلافت پائی تجارت چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ بابا صاحب کی وفات کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر مکمل ہو کر ان کے یاران اعلیٰ میں شامل ہوئے ۷۱۱ھ میں وفات پائی۔ ان کا مزار باؤلی سلطان جی کے متصل ہے

حضرت شیخ محمد چشتی صابریؒ آپ کا مزار دریائے جمنا کے کنارے پر ہے اور شیخ محمد کی باؤلی مشہور ہے آپ اپنے زمانہ میں قطب دہلی تھے۔ دربار دہلی کے تمام امراء آپ سے اعتقاد رکھتے تھے آپ صاحب کرامات بزرگ تھے اور فقر میں عالی مرتبہ رکھتے تھے آپ حضرت شیخ محمد ابراہیم رامپوری کے مرید و خلیفہ تھے جو خود شیخ ابوسعید گنگوہی چشتی صابری کے مرید تھے، شیخ محمد چشتی مورخہ ۲ محرم الحرام ۱۱۶۵ھ کو فوت ہوئے۔

شیخ علی سنجریؒ آپ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے محب اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے اہل چشت کے تذکروں میں ہر جگہ آپ کا تذکرہ ملتا ہے، مسجد قوت الاسلام کے نواح میں آپ کا مزار شریف ہے۔

حضرت خواجہ احمدؒ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے فرزند تھے۔ علم الٰہی کی تکمیل سلطان المشائخ سے کی آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک کا نام حضرت خوجو اور دوسرے کا اسم شریف سید کبیر تھا۔ یہ تینوں بزرگ صحن روضہ قطب صاحب میں مدفون ہوئے سن وفات کسی کتاب

نہیں ملتا۔

بابا حاجی روزبہ رح مشہور ہے کہ اولیاءؒ اسلام میں سب سے پہلے آپ دہلی وارد ہوئے صاحب علم و عرفان تھے اہل ہنود کی کثیر تعداد آپ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔ قلعہ رائے پھتورا میں قدیم خندق آپ کا مدفن ہے آپ کے روحانی سلسلہ بیعت کا پتہ نہیں چلتا۔ قطب صاحب سے آپ کے خصوصی مراسم تھے

شیخ فریدالدین ناگوریؒ حضرت حمیدالدین ناگوریؒ کے نبیرہ تھے، عہد سلطان محمد تغلق دہلی میں آئے اور نیچے منڈل کے قریب مقیم ہوئے اسی جگہ راہ خواجہ قطب میں آپ کی قبر ہے۔ عمر شریف آپ کی سو سال کی ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سعد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے مزار پر ایک بھاری پتھر پڑا ہے جسے فریدالدین بحالت شکر اپنی گردن میں ڈال کر دہلی تشریف لائے بدیں وجہ چاک پراں مشہور ہوئے تحقیق کے مطابق آپ کا مدفن مزار مسعود بک کے متصل لاڈو سرائے میں ہے

خواجہ محمد امام رح آپ شیخ بدرالدین اسحاق اجودھنی کے فرزند تھے جن سے آپ نے علم الٰہی کی تکمیل کی دہلی آکر حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت سے مشرف ہوئے۔ انوار المجالس مشتمل بر ملفوظات سلطان جی کو مرتب کیا آپ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ علم موسیقی بھی خوب جانتے تھے۔ وفات آپ کی ۷۳۲ھ میں ہوئی باؤلی سلطان جی کے متصل آسودہ ہیں۔

مولانا ضیاءالدین برنیؒ آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے تاریخ فیروز شاہی آپ کی علمی یادگار ہے ۷۴۳ھ میں وفات پائی مزار یاران چبوترہ پر ہے قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ برنی کی قبر سے متصل شیخ عزیزالدین صوفی کا مدفن ہے جو بابا فریدالدین کے نواسہ اور قاضی محی الدین کاشانی کے شاگرد تھے حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ تحفۃ الابرار آپ کی تصنیف ہے ۷۴۱ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کیا۔

شیخ حمید قلندرؒ المتوفی ۷۶۸ھ (مدفون در دہلی) آپ نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات جمع کیے اور خیر المجالس کے نام سے موسوم کیا۔ شیخ حمید قلندر مولانا تاج الدین کے فرزند تھے اور بچپن میں ہی سلطان جی کے مرید ہو گئے تھے۔ قلندر کا لقب انہی سے پایا تھا۔

قاضی محی الدین کاشانی چشتی نظامیؒ آپ کا مرقد مہرولی (قطب روڈ) پر واقع ہے سن وفات ۷۱۹ھ ہے علم و فضل میں درجۂ کمال اور نہایت متقی اور عابد شخص تھے۔

خواجہ شمس الدین ماہروؒ حضرت امیر خسروؒ کے مقبرہ کی پائینتی طرف آسودہ ہیں، آپ امیر خسروؒ کے بھانجہ تھے۔ سلطان جی کے مرید تھے مجلس سلطان المشائخ میں ہمیشہ اپنا سر نیچا کیے رہتے جب سلطان جی کی صورت دیکھتے تو اس وقت نیت باندھتے۔ عالم جوانی میں ۷۲۲ھ میں فوت ہوئے سلطان جی کئی بار ان کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گئے۔

شیخ نظام شیرازی آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ تھے اپنے پیر بھائیوں کے ہمراہ زیارت حرمین شریف کی سعادت حاصل کی۔ علم تصوف پر بڑا عبور تھا۔ فن تقریر کے امام وقت تھے اوصاف حمیدہ کے حامل تھے۔ علاؤالدین خلجی کی دہلی میں واقع اپنے سکنی مکان میں دفن ہوئے اب مزار کا نشان نہیں ملتا۔

شیخ شہاب الدین حق گو آپ مولانا فخر الدین زرادی کے فرزند تھے سلطان محمد تغلق کے عہد میں بڑے معزز و محترم تھے سلطان نے آپ سے کہا کہ اسے عادل کہا کریں لیکن آپ نے فوراً جواب دیا کہ میں ظالم کو عادل کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتا بادشاہ نے برافروختہ ہو کر ان کو قلعہ کی بلندی سے نیچے خندق میں پھنکوا دیا وہیں آپ کی قبر بنائی گئی تھی مگر اب مزار کا کہیں نشان نہیں ملتا۔

درگاہ قطب صاحب کے جوار میں لاڈو سرائے کی تاریخی جگہ ہے جہاں شیخ حیدرؒ شیخ رکن الدین ابن شیخ شہاب الدین امام مسجد سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ، مسعود بیگ رؒ

فریدالدین جاک پراں آسودہ ہیں یاد رہے کہ شیخ شہاب الدین امام مسجد بڑے ذی علم اور یگانہ روزگار آدمی تھے انہیں قرآن مجید معہ ترجمہ اور تفسیر کے حفظ تھا۔ قاری بھی تھے اور بوجہ صحت لفظی اور خوش الحانی حضرت سلطان بھی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔

شیخ حسن طاہرؒ (م ۹۰۹ھ)

مزار شریف نزدیک منڈل دہلی۔ آپ کی مشہور تصانیف مفتاح الفیض، گنجینۂ اسرار و بحر المعانی ہیں آپ سلطان سکندر لودھی کے ہمعصر تھے دہلی کے علماء کی استدعا پر آپ دہلی آئے اور یہیں سکونت اختیار کی آپ کے اجداد ملتان (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ صاحب کے خلیفہ تھے۔

میر سید عبدالاول بن سید علائیؒ

المتوفی ۹۶۸ھ مدفون در دہلی۔ دینی و دنیاوی علوم میں درجہ کمال رکھتے تھے آپ نے طویل عمر پائی آپ بڑے سیلانی تھے دکن میں پیدا ہوئے اور وہیں تحصیل علم کیا۔ نقل سکونت کر کے گجرات کاٹھیاواڑ میں مقیم ہوئے وہاں سے بلادِ اسلامیہ کی سیاحت اور زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے واپسی پر احمد آباد میں رہے۔ نواب بہرام خاں جو شہنشاہ اکبر کے عہد میں خان خانان کے عہدہ پر سرفراز تھے کی تحریک پر دہلی آگئے جہاں زندگی کا بقیہ حصہ گزارا۔ میر عبدالاول صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی علمی یادگاروں میں فیض الباری (شرح صحیح بخاری) فرائض سراجی (نظم) سفر السعادت، رسالہ تحقیق نفس مشہور ہیں۔ آپ نے اکثر کتب پر حاشیئے بھی تحریر کئے تھے۔ آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں سید محمد گیسو دراز کے صاحبزادہ کے مرید تھے۔

شیخ رزق اللہؒ

(المتوفی ۹۸۹ھ مدفون دہلی) آپ حضرت سیف الدین والد محترم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے شاگرد تھے شرف مریدی و خلافت مصباح العاشقین محمد ملاوہ سے تھا۔ حضرت رزق اللہ کو ان کے والد نے عالم شیر خواری میں حضرت مصباح العاشقین کی نذر کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ میرا مرید ہے آپ کی عمر چار سال تھی کہ مرشد کا وصال ہو گیا۔ جدائی میں بوجہ تعلق روحانی

پیر و مرشد آپ عارف و فاضل ہوئے اور عشق الٰہی میں یگانۂ عصر ہوئے۔ ہندی اور فارسی زبانوں میں خوب شعر کہتے تھے آپ کی معروف تصانیف رسالہ پی مائین، جوت نرنجن اور سار بچن ہندی زبان میں ہیں۔ جن میں تخلص راجن ہے فارسی میں "تجلیات القلوب" یادگار چھوڑی۔ فارسی کلام میں آپ "مشتاقی" تخلص کرتے تھے آپ کی زندگی کا کافی حصہ سیاحی میں گذرا۔

شیخ اسحاق چشتی دہلویؒ

آپ بڑے عابد و زاہد بزرگ گذرے ہیں زندگی میں سفر و سیاحت خوب کی۔ عمر طویل پائی۔ بڑھاپے میں فرزند پیدا ہوا۔ شکرانے کے طور پر جو کچھ گھر میں تھا خیرات کر ڈالا آپ کے پڑوس میں محفل سماع ہو رہی تھی وہاں گئے اور گریہ و زاری کرنے لگے جب طبیعت بحال ہوئی تو فرمانے لگے کہ آج جمعۃ المبارک ہے اور میں نے ابھی تک غسل نہیں کیا۔ حجام کو بلوا کر اصلاح بنوائی اور غسل سے فارغ ہو کر یاروں سے الوداع کہی اور اور گھر آ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور حالت تلاوت میں جاں بحق ہوئے یہ واقعہ ۹۹۵ھ کا ہے۔

چتلی قبر

اس جگہ چالیس اہل اللہ شہید ہوئے تھے جن میں سے ایک وہ تھے جو چتلی قبر میں آسودہ ہیں اس علاقہ میں پہلے ایک چہل تن دروازہ ہوا کرتا تھا جس کا نام بگڑ کر چتلا دروازہ ہو گیا اب وہ دروازہ معدوم ہے۔

خواجہ میر درد دہلویؒ

آپ کا اسم شریف خواجہ میر علی محمد اور درد تخلص تھا ماہ ذیقعد ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے آپ خواجہ ناصر وزیر عندلیب کے پسر تھے۔ خواجہ میر درد علوم ظاہری و باطنی کا خزانہ تھے۔ باکمال شاعر تھے۔ اپنے والد کی تصنیف "نالۂ عندلیب" کی مبسوط شرح لکھی اور علم الکتاب اس کا نام رکھا۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف ہیں نالۂ درد، آہ سرد، درد دل، شمع محفل وغیرہ مشہور ہیں سوائے دیوان کے دیگر کتب کمیاب بلکہ نایاب ہیں آپ کی وفات ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ کو ۶۶ برس کی عمر میں

ہوئی آپ کی قبر اور دیگر چند قبور اب تک محفوظ ہیں۔ باقی قبرستان کا صفایا کر دیا گیا ہے جہاں سرکاری عمارات تعمیر ہو گئی ہیں۔

مقبرہ ہمایوں

نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ کا یہ مقبرہ ۹۷۷ھ ۱۵۶۹ء میں مکمل ہوا۔ پندرہ لاکھ روپے کی لاگت سے یہ عمارت تقریباً ۱۶ برس میں تکمیل پذیر ہوئی سلاطین تیموریہ کے مقبروں میں سب سے پہلے یہی مقبرہ تعمیر ہوا۔ تاج محل آگرہ کے بعد یہ خوب صورت ترین عمارت گنی جاتی ہے اس مقبرہ کے اندر اور ارد گرد جتنے مغلیہ بادشاہ اور شہزادگان دفن ہیں کسی اور جگہ نہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران بہادر شاہ ظفر نے لال قلعہ چھوڑ کر یہیں پناہ لی تھی اور اسی مقام سے انہیں گرفتار کر کے رنگون (برما) جلاوطن کیا گیا تھا۔

انگریزوں نے شہزادگان مرزا مغل، مرزا سلطان ظفر اور مرزا ابوبکر کے سر کاٹ کر بہادر شاہ ظفر کو اسی مقبرہ میں پیش کیے تھے۔

اگست تا ستمبر ۱۹۴۷ء مسلمانان دہلی کا غیر مسلموں نے حکومت کی اعانت سے قتل عام کیا جو مسلمان بچ رہے اور مقبرہ ہمایوں میں پناہ گزین ہوئے انہیں بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ رات کے وقت غیر مسلم غنڈے مسلم پناہ گزینوں کے سامان کو لوٹتے اور کتنی ہی بار انہوں نے نوجوان عورتوں کو وہاں سے زبردستی اغواء کیا۔

عرب سرائے

مقبرہ ہمایوں کے نزدیک عرب سرائے کی ویران لبستی کے مغربی

دروازے کے پاس عہد شیر شاہ سوری کے ایک مقتدر امیر عیسیٰ خاں کی مسجد اور مقبرہ، تقریباً کھنڈر کی شکل میں موجود ہیں ان دونوں عمارتوں کی تعمیر ۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء میں ہوئی تھی۔

مقبرہ عبدالرحیم خان خاناں

یہ عمارت اب شکست و ریخت سے دوچار ہے۔ مقبرہ ہمایوں کے قریب ہی واقع ہے۔

ہمایوں کے مصاحب اور عظیم جرنیل بیرم خاں کا پسر عبدالرحیم لاہور میں پیدا ہوا۔ بڑے بڑے شاہی عہدوں پر مامور ہوا۔ گجرات کے خطرناک بلووں کو اس نے تدبیر سے ختم کیا۔ صوبہ سندھ فتح کیا۔ اکبر کے عہد حکومت کے آخر تک دکن کا منتظم اعلیٰ رہا۔ جہانگیر سے اختلاف کے باعث مہابت خاں نے اسے قید کیا لاہور میں کچھ عرصہ رکھا گیا لیکن بیماری نے زور پکڑا تو عبدالرحیم کو دہلی منتقل کر دیا گیا۔ جہاں ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

خان خاناں کے علم و فضل۔ دانش مندی۔ فراست بہادری اور فیاضی کا بڑا شہرہ تھا۔ فارسی اور ہندی میں بلند پایہ اشعار ان کی یادگار ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

حضرت شیخ احمد قطب الدین شاہ ولی اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۳۰ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء میں ہوئی قبرستان مہندیاں میں دفن ہیں آپ کی جلالت قدر اور علمی منزلت کے سب قائل ہیں آپکے احوال اور علم و فضل کا بیان علماء نے بکثرت کیا ہے ننانوے سے زائد آپ کی تصانیف علم دین میں ہیں تفسیر اصول فقہ کلام حدیث میں جیسے حجۃ البالغہ، اسرار فقہ مصفیٰ ازالۃ الخفاء اور ترجمہ قرآن مجید کران میں ہر ایک اتنی نوٹ جز میں بڑے حجم کا ہے اور دیگر رسائل حقائق و معارف میں ہیں مثلاً الطاف القدس، ہمعات۔ فیوض الحرمین، انفاس العارفین وغیرہ۔

مولانا برکاتی نے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات کا درد انگیز تذکرہ کیا ہے جن میں اہل سنت والجماعت کے نظریات سے متضاد نظریات منسوب کر کے حنفیوں کو بدظن کرنے کی سعیٔ ناشکور کی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ سے وابستہ تھے ۱۱۴۴ھ میں پورے سات ماہ مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ علوم ظاہری میں وہاں کے گرامی قدر علماء سے استفادہ کیا اور علم باطن میں روضہ مبارکہ و مقدسہ کی خاک روبی کی۔ حضرات اہل بیت اطہار کے مزارات مقدسہ کی زیارت کی اور وہاں مراقبات کرنے سے درجات کمال پر فائز ہوئے آپ نے الدر الثمین میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عنایتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ شاہ ولی اللہ بارہ ربیع الاول کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فاتحہ اور نذر و نیاز دلوایا کرتے تھے اور شیرینی تقسیم کرتے تھے۔ ایام عاشورہ میں آئمہ اہل بیت کی فاتحہ دلواتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ اپنے محترم چچا کا بھی عرس کرانے جس میں محفل سماع و سرود منعقد ہوا کرتی تھی اور لوگوں پر ذوق و شوق طاری ہوتا تھا۔ وہابیہ عقائد سے آپ کو کوئی واسطہ نہ تھا، شاہ ولی اللہ کی مثال شجر طوبیٰ کی طرح ہے کہ تنہ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پہنچی ہوئی ہیں " ہندوستان میں جو علم دین پھیلا ہے اللہ تعالےٰ نے اس کا ذریعہ آپ کی مبارک ذات کو کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ بلاشبہ باکمال عالم دین اور بلندپایہ شیخ الطریقت ہوئے ہیں۔ آپ کا مثل چند ہی افراد ہوئے ہیں۔

اقتباس از واقعات دار الحکومت دہلی مصنفہ بشیر الدین احمد مرحوم

دلّی کے قلعہ جات اور شہر کی بنا کی فہرست

نمبر	نام قلعہ / شہر	بانی	عہد	کیفیت
۱	اندرپت	راجہ جدھشٹر	تخمیناً ۱۴۵۰ سال قبل مسیح	
۲	دہلی	راجہ دہلو	تخمیناً ۳۲۸ سال ق م	
۳	پرانا قلعہ یا دین پناہ یا شیر گڑھ	انکپال تنور	سنہ ۵۰ھ ۶۷۶ء	سنہ ۹۴۰ھ ۱۵۳۳ء کو ہمایوں بادشاہ نے اس قلعہ کی از سر نو مرمت کرا کے دین پناہ نام رکھا اور شیر شاہ نے بھی اس کی مرمت کی اور شیر گڑھ نام رکھا۔
۴	قلعہ رائے پتھورا	رائے پتھورا	سنہ ۵۳۸ھ ۱۱۴۳ء	اس قلعے کے غربی دروازے کا نام "غزنین دروازہ" تھا
	قصر سفید	قطب الدین ایبک	سنہ ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء	رائے پتھورا کے قلعے میں یہ محل بنا تھا
۵	کوشک لعل	غیاث الدین بلبن	سنہ ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء	ان سنوں سے چند سال پہلے یہ قلعہ بنا کیونکہ یہ سن تو بادشاہ ہونے کے ہیں اور یہ کوشک بادشاہ ہونے کے کچھ برس پہلے بنایا تھا
۶	قلعہ مرزغن یا غیاث پور	"	سنہ ۶۶۶ھ ۱۲۶۷	اس قلعے کی زمین میں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ شریف ہے۔
۷	کیلوکھڑی یا قصر معزی	معز الدین کیقباد	سنہ ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء	مغل شہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ اسی قلعے کی زمین میں ہے۔
۸	کوشک لعل یا نیا شہر	جلال الدین فیروز خلجی	سنہ ۶۸۸ھ ۶۸۹	
	کوشک سبز	"	"	کوشک لعل میں یہ بھی ایک محل ہے۔

نمبر	نام قلعہ/شہر	بانی	عہد	کیفیت
۹	دہلی علائی یا قلعہ علائی یا کوشک سیری قصر ہزار ستون	علاؤالدین خلجی	۷۰۳ھ سنہ ۱۳۰۴ء	کوشک سیری میں یہ بھی ایک محل تھا۔
۱۰	تغلق آباد	تغلق شاہ	۷۲۱ھ سنہ ۱۳۲۱ء	
۱۱	عادل آباد یا محل آباد	محمد عادل تغلق شاہ	۷۲۸ھ سنہ ۱۳۲۷ء	
۱۲	جہاں پناہ کوشک بجے منڈل یا بدیع منزل	〃 〃	〃 〃	دہلی علائی اور دہلی کہنہ یعنی قلعہ رائے پتھورا کو ملا دیا جہاں پناہ کی فصیل کا ایک برج ہے۔
۱۳	کوشک فیروز شاہ یا فیروز شاہ کا کوٹلہ	فیروز شاہ	۷۵۵ھ سنہ ۱۳۵۴ء	
	شہر فیروز آباد	〃	〃	کوٹلے کے ساتھ کا یہ شہر بھی ہے
۱۴	کوشک جہاں نما یا کوشک شکار	〃	〃	
۱۵	خضر آباد	خضر خاں	۸۲۱ھ سنہ ۱۴۱۸ء	
۱۶	مبارک آباد	قطب الدین مبارک شاہ	۸۳۷ھ سنہ ۱۴۳۳ء	قلعہ قطب آباد بھی غالباً اسی قلعے کا نام تھا
۱۷	دہلی شیر شاہ	شیر شاہ	۹۴۸ھ سنہ ۱۵۴۱ء	اس شہر کا "کابلی دروازہ" اب تک جیل خانے کے پاس موجود ہے۔
۱۸	سلیم گڑھ یا نور گڑھ	اسلام شاہ جس کو سلیم شاہ بھی کہتے ہیں	۹۵۳ھ سنہ ۱۵۴۶ء	نور الدین جہانگیر کے وقت میں پل اس کے سامنے بنا اور اسی وقت سے نور گڑھ نام پڑا
۱۹	لال قلعہ	شاہ جہاں بادشاہ	۱۰۴۸ھ سنہ ۱۶۳۸ء	اس قلعے کی تعمیر میں اٹلین بھی شریک تھے شاہجہاں کی بنائی ہوئی یہ عمارتیں موجود تھیں دلّی دروازہ لاہوری دروازہ مع چھتہ نقار خانہ یا ہتیا پول دیوان عام مع تخت سنگین خاص محل یا امتیاز محل

نمبر	نام قلعہ/شہر	بانی	عہد	کیفیت
				یا رنگ محل، بیٹھک[۷] مع مثمن برج۔ اسد برج[۸] شاہ محل[۹] یا دیوان خاص[۱۰] حمام[۱۱] موتی محل، باغ حیات بخش[۱۲] مع ساون بھادوں، شاہ برج[۱۳] مہتاب باغ[۱۴] اب ان میں سے عمارات ۵-۱۲ ۱۴ باقی نہیں رہیں

تذکرہ عمارات قدیمہ شہر و مضافات دہلی

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۱	لوہے کی لاٹھ	راجہ میدھاوے عرف دہاوا	راجہ دہاوا	۸۹۵ تخمیناً سال قبل مسیح	اس لاٹھ پر سندھیوں پر فتح یابی کا فتح نامہ کندہ ہے مگر روش خط سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حروف پانچویں صدی بعد حضرت عیسیٰ کے کندہ ہوئے ہیں۔
۲	لاٹھ اسوکا یا منارۂ زریں یا فیروز شاہ کی لاٹھ	راجہ اسوکا	راجہ اسوکا	ق۔م ۲۹۸ سنہ	پرانے خط میں بودھ مذہب کے احکام
۳	لاٹھ اسوکا یا منارۂ کوشک شکار	״	״	״	بیل دیو چوہان کا فتح نامہ کندہ ہے مگر رائے پتھورا کے عہد میں کندہ ہوا ہے
۴	انیک پور	انیک پال تونور	انیک پال تونور	۵۷ سنہ ھ ۶۷۶ء	
۵	انیک پال	״	״	״	
۶	سورج کنڈ	سورج پال	انیک پال تونور	״	
۷	بت خانہ واقع قطب صاحب	پرتھی راج عرف	رائے پتھورا	۵۲۸ سنہ ھ ۱۱۴۳ء	۵۸۷ سنہ ھ ۱۱۹۱ء میں قطب الدین ایبک نے

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
	مسجد قوت الاسلام	رائے پتھورا			بت خانہ توڑکر مسجد بنائی اور بت خانے پر
	//	قطب الدین ایبک	معزالدین سلطان		اور لاٹھ کے پہلے درجہ پر فتح نامہ
	//	سپہ سالار			لگایا اور ۵۵۲ھ ۱۱۶۵ء میں سلطان
	//	تعمیر معزالدین سلطان			معزالدین نے پانچ محرابیں بنوائیں
	//	تعمیر سلطان علاؤالدین	سلطان علاؤالدین		۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء میں سلطان شمس الدین نے
۸	قطب صاحب کی لاٹھ	پرتھی راج			تین تین محرابیں اور بنوائیں اور لاٹھ
	//	عرف رائے پتھورا	رائے پتھورا		پر پانچ درجے اور بڑھائے
	//				۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء میں سلطان علاؤالدین نے
	//				اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور دوسری
۹	متصل دروازہ لاٹھ کلاں	تعمیر سلطان علاؤالدین			لاٹھ پہلی لاٹھ سے دگنی بنانی چاہی جو ناتمام رہ گئی۔
۱۰	ادھوری یعنی ناتمام لاٹھ	سلطان علاؤالدین	//		
۱۱	حوض شمسی	سلطان شمس الدین	سلطان شمس الدین التمش	۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء	۶۲۷ھ میں سلطان علاؤالدین نے اس حوض کے بیچ میں ایک برجی بنائی
۱۲	مقبرہ سلطان غازی	//	//	۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء	ناصرالدین محمود سلطان شمس الدین کے بیٹے کا مقبرہ ہے
۱۳	مقبرہ سلطان شمس الدین	سلطانہ رضیہ بیگم	سلطانہ رضیہ بیگم	۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء	
۱۴	درگاہ ترکمان شاہ		معزالدین بہرام شاہ	۶۳۸ھ ۱۲۴۰ء	
۱۵	مقبرہ رکن الدین فیروز شاہ	معزالدین بہرام شاہ	معزالدین بہرام شاہ	//	
۱۶	مقبرہ سلطانہ رضیہ بیگم	معزالدین بہرام شاہ	معزالدین بہرام شاہ	۶۳۸ھ ۱۲۴۰ء	
۱۷	مقبرہ معزالدین بہرام شاہ	شاہ علاؤالدین مسعود		۶۳۹ھ ۱۲۴۱ء	

نمبر	نام عمارات	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۱۸	مقبرہ غیاث الدین سلطان بلبن	غیاث الدین بلبن	سنہ ۶۸۳ھ ۱۲۸۴ء		خان سعید کے مرنے کے وقت اس کی قبر اور یہ مقبرہ خود بادشاہ نے بنوایا
۱۹	حوض علائی یا حوض خاص	سلطان علاؤ الدین	سلطان علاؤ الدین	سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء	فیروز شاہ کے وقت میں حوض خاص اس کا نام ہوا۔
۲۰	مقبرہ سلطان علاؤ الدین	قطب الدین مبارک شاہ	قطب الدین مبارک شاہ	سنہ ۷۱۷ھ ۱۳۱۷ء	
۲۱	باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ	حضرت نظام الدین اولیاؒ	غیاث الدین تغلق شاہ	سنہ ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء	سنہ ۷۸۱ھ ۱۳۷۹ء میں محمد معروف نے اس باؤلی پر مکانات بنائے۔
۲۲	مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	سنہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء	محمد عادل تغلق شاہ کی قبر بھی یہیں ہے۔
۲۳	درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ	عماد الملک ضیاء الدین وکیل و سلطان محمد بن تغلق شاہ	محمد عادل تغلق شاہ	؍؍	خلیل اللہ خان نے سنہ ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۲ء میں مزار پر غلام گردش بنوائی
۲۴	ست پلہ	محمد عادل تغلق شاہ	؍؍	سنہ ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء	
۲۵	درگاہ شیخ صلاح الدین		فیروز شاہ	سنہ ۷۵۴ھ ۱۳۵۳ء	
۲۶	مسجد درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ	فیروز شاہ	؍؍	؍؍	
۲۷	مسجد جامع فیروزی	فیروز شاہ	؍؍	سنہ ۷۵۵ھ ۱۳۵۴	تیمور کا خطبہ اسی مسجد میں پڑھا گیا
۲۸	کوشک انوار یا مہندیان	فیروز شاہ	؍؍	؍؍	
۲۹	بو علی بھٹیاری کا محل	؍؍	؍؍	؍؍	

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۳۰	کالی مسجد کوٹلہ نظام الدین	خانِ جہان	فیروز شاہ	۷۷۲ھ سنہ ۱۳۷۰ء	
۳۱	درگاہ روشن چراغ دہلی	فیروز شاہ	″	۷۷۵ھ سنہ ۱۳۷۳ء	
۳۲	قدم شریف یا مقبرہ فتح خان	″	″	۷۷۶ھ سنہ ۱۳۷۱ء	
۳۳	مسجد چوراہا قدم شریف	″	″	″	
۳۴	درگاہ حضرت سید محمود بحار	×	″	۷۷۸ھ سنہ ۱۳۷۶ء	
۳۵	کلاں مسجد عرف کالی مسجد	خان جہان	″	۷۸۹ھ سنہ ۱۳۸۷ء	
۳۶	مسجد بیگم پور	″	″	″	
۳۷	مسجد کالو سرائے	″	″	″	
۳۸	مسجد کھڑکی	ـ	″	″	
۳۹	مقبرہ فیروز شاہ	ناصر الدین محمد شاہ	ناصر الدین محمد شاہ	۷۹۲ھ سنہ ۱۳۸۹ء	
۴۰	خضر کی گمٹی	ابوالفتح مبارک شاہ	ابوالفتح مبارک شاہ	۸۲۴ھ سنہ ۱۴۲۱ء	خضر خان کا یہ مقبرہ ہے
۴۱	مبارک پور کوٹلہ	محمد شاہ	محمد شاہ	۸۳۷ھ سنہ ۱۴۳۳ء	
۴۲	مقبرہ محمد شاہ	علاؤالدین عالم شاہ	علاؤالدین عالم شاہ	۸۴۹ھ سنہ ۱۴۴۵ء	
۴۳	مقبرہ سلطان بہلول	سلطان سکندر	سلطان سکندر	۸۹۴ھ سنہ ۱۴۸۸ء	
۴۴	پنج برجہ زمرد پور	زمرد خان	″	″	
۴۵	لستی باؤلی	لستی خواجہ سرا	″	″	

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۴۶	موٹھ کی مسجد	شہاب الدین	سلطان سکندر	۸۹۴ھ سنہ ۱۴۸۸ء	
۴۷	مقبرہ تنگر خان	×	”	۹۰۰ھ سنہ ۱۴۹۴ء	
۴۸	تبرجہ	×	”	”	
۴۹	راجون کی باؤلین	دولت خان	”	۹۲۲ھ سنہ ۱۵۰۶ء	
۵۰	مقبرہ سلطان سکندر	سلطان ابراہیم	سلطان ابراہیم	۹۱۳ھ سنہ ۱۵۱۷ء	
۵۱	درگاہ یوسف قتال	شیخ علاؤالدین	بابر بادشاہ	۹۳۳ھ سنہ ۱۵۲۶ء	
۵۲	درگاہ مولانا جمالی	مولانا جمالی	”	۹۳۵ھ سنہ ۱۵۲۸ء	
۵۳	مسجد درگاہ جمالی	”	”	”	
۵۴	نیلی چھتری	ہمایوں بادشاہ	ہمایوں بادشاہ	۹۳۹ھ سنہ ۱۵۳۲ء	
۵۵	درگاہ امام ضامن	حضرت امام ضامن	”	۹۴۴ھ سنہ ۱۵۳۷ء	
۵۶	درگاہ حضرت قطب صاحب	خلیل اللہ خان	شیر شاہ	۹۴۰ھ سنہ ۱۵۳۸ء	
۵۷	مسجد قلعہ کہنہ	شیر شاہ	”	”	
۵۸	شیر منڈل	”	”	”	
۵۹	مسجد و مقبرہ خیر پور	خیر پور	”	۹۵۰ھ سنہ ۱۵۴۳ء	
۶۰	کھاری باؤلی	خواجہ عبداللہ عمادالملک	اسلام شاہ	۹۵۲ھ سنہ ۱۵۴۵ء	
۶۱	مقبرہ عیسیٰ خان	عیسیٰ خان	”	۹۵۴ھ سنہ ۱۵۴۷ء	
۶۲	مسجد عیسیٰ خان	”	”	”	
۶۳	مسجد درگاہ قطب صاحب	اسلام شاہ	”	۹۵۸ھ سنہ ۱۵۵۱ء	فرخ سیر نے اس مسجد کو بڑھا کر نیا یا

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۶۴	عرب سرائے	حاجی بیگم صاحبہ	اسلام شاہ	سنہ ۹۶۸ھ ۱۵۶۰ء	
۶۵	خیر المنازل	ماہم بیگم صاحبہ	”	سنہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء	
۶۶	بھول بھلیاں یا مقبرہ ادہم خان	اکبر بادشاہ	اکبر بادشاہ	”	
۶۷	مقبرہ ہمایوں	حاجی بیگم صاحبہ	”	سنہ ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء	
۶۸	نیلی چھتری مقبرہ نوبت خاں	نواب نوبت خاں	”	”	
۶۹	مقبرہ اتگہ خان	کوکلتاش خاں	”	سنہ ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء	
۷۰	درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ	×	”	سنہ ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء	
۷۱	درگاہ حضرت امیر خسروؒ	عماد الدین حسن	نور الدین جہانگیر	سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء	
۷۲	جیل خانہ سرائے فرید خاں	فرید خاں	”	سنہ ۱۰۱۷ھ ۱۶۰۸ء	
۷۳	بارہ پلہ	آغا مان	جہانگیر بادشاہ	سنہ ۱۰۲۱ھ ۱۶۱۲ء	
۷۴	منڈی	”	”	”	
۷۵	کوس منارہ	جہانگیر بادشاہ	”	سنہ ۱۰۲۸ھ ۱۶۱۸ء	
۷۶	پل سلیم گڑھ	”	”	سنہ ۱۰۳۱ھ ۱۶۲۱ء	
۷۷	مقبرہ شیخ فرید	شیخ فرید	”	سنہ ۱۰۳۳ھ ۱۶۲۳ء	
۷۸	نیلا برج یا مقبرہ فہیم	عبد الرحیم خانِ خاناں	”	سنہ ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ء	
۷۹	چونسٹھ کھمبا یا	مرزا عزیز	”	”	

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
	مقبرہ کوکلتاش	کوکلتاش خاں	جہانگیر بادشاہ		
۸۰	مقبرہ خانِ خاناں	عبدالرحیم خان خاناں	"	سنہ ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء	
۸۱	مقبرہ سید عابد	خان دوران خان	شاہجہان بادشاہ	سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء	
۸۲	خاص محل	خاص محل دختر زین خان	"	سنہ ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۲ء	
۸۳	مقبرہ شیخ عبدالحق محدث	شیخ الاسلام	"	سنہ ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء	
۸۴	جامع مسجد	شاہجہان بادشاہ	شاہ جہان بادشاہ	سنہ ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء	
۸۵	دارالشفاء و دارالبقاء	"	"	"	
۸۶	بیگم کا باغ	جہاں آراء بیگم صاحبہ	"	"	
۸۷	مسجد فتح پوری	فتح پوری بیگم صاحبہ	"	"	
۸۸	مسجد اکبرآبادی	اکبرآبادی بیگم صاحبہ	"	"	
۸۹	مسجد سرہندی	سرہندی بیگم صاحبہ	"	"	
۹۰	باغ شالامار	شاہجہان بادشاہ	"	سنہ ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۳ء	
۹۱	باغ روشن آراء	روشن آرا بیگم	"	"	
۹۲	باغ سرہندی	سرہندی بیگم صاحبہ	"	"	
۹۳	موتی مسجد اندرون قلعہ	عالمگیر بادشاہ	عالمگیر بادشاہ	سنہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۵ء	
۹۴	حجرہ جہاں آرا بیگم	جہاں آرا بیگم	"	سنہ ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۱ء	

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۹۵	مقبرہ سرناله	×	عالمگیر بادشاہ	سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۸ء	
۹۶	درگاہ حضرت سید حسن رسول نما	×	"	سنہ ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۱ء	
۹۷	جھرنا	غازی الدین خاں	"	سنہ ۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء	
۹۸	مسجد اورنگ آبادی	اورنگ آبادی بیگم صاحبہ	"	سنہ ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء	
۹۹	مقبرہ زیب النساء بیگم	عالمگیر بادشاہ	"	"	
۱۰۰	موتی مسجد قطب صاحب	بہادر شاہ	بہادر شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۲۱ھ ۱۷۰۹ء	
۱۰۱	زینت المساجد	زینت النساء بیگم صاحبہ	"	سنہ ۱۱۲۲ھ ۱۷۱۰ء	
۱۰۲	مقبرہ غازی الدین خان	غازی الدین خان	شاہ عالم بہادر شاہ	"	
۱۰۳	محجر شاہ عالم بہادر شاہ	جہاں دار شاہ	جہاں دار شاہ	سنہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء	شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی بھی یہیں قبر ہے۔
۱۰۴	برج مقبرہ ہمایوں	×	رفیع الدرجات	سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء	
۱۰۵	کوتوالی متصل مسجد سنہری	روشن الدولہ	محمد شاہ	سنہ ۱۱۳۴ھ ۱۷۲۱ء	
۱۰۶	مسجد اقعدریہ	شرف الدولہ	"	سنہ ۱۱۳۵ھ ۱۷۲۲ء	
۱۰۷	جنتر منتر	راجہ سوائی سنگھ	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴	اس رصد خانے میں انگریز بھی شریک تھے۔

نمبر	نام عمارت	اصل بانی کا نام	عہد حکومت	سن تعمیر	کیفیت
۱۰۸	شاہ مردان	نواب قدسیہ بیگم	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ء	
۱۰۹	فخر المساجد	فخر النسأ خانم	″	سنہ ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸ء	
۱۱۰	باغ محل دار خان	ناظر محل دار خان	″	″	
۱۱۱	مسجد روشن الدولہ واقع قاضی واڑہ	روشن الدولہ	محمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء	
۱۱۲	باغ ناظر	ناظر روز افزوں	″	سنہ ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۸ء	
۱۱۳	مسجد محمد شاہ بادشاہ	محمد شاہ	″	″	
۱۱۴	قدسیہ باغ	نواب قدسیہ بیگم	احمد شاہ بادشاہ	سنہ ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۸ء	
۱۱۵	چوبی مسجد	احمد شاہ بادشاہ	″	سنہ ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء	
۱۱۶	سنہری مسجد زیر قلعہ	جاوید خواجہ سرا	″	سنہ ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء	
۱۱۷	مقبرہ منصور	شجاع الدولہ	عالمگیر ثانی بادشاہ	سنہ ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء	
۱۱۸	لال بنگلہ	شاہ عالم بادشاہ	شاہ عالم بادشاہ	سنہ ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء	
۱۱۹	مقبرہ نجف خان	×	″	سنہ ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۰ء	
۱۲۰	مسجد سرا جہانگیر	نواب ممتاز محل زوجہ محمد اکبر شاہ ثانی	ولیم چہارم و اکبر شاہ ثانی	سنہ ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء	
۱۲۱	ظفر محل	بہادر شاہ ثانی	ملکہ وکٹوریہ و ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ	سنہ ۱۲۵۸ھ ۱۸۴۲ء	
۱۲۲	ہیرا محل	″	″	″	
۱۲۳	باؤلی قطب صاحب	حافظ محمد داؤد خان مستقیم جنگ	″	سنہ ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء	

دہلی کی چند عظیم ہستیوں کو جناب سردار علی احمد صاحب کا نذرانۂ عقیدت

آستانۂ عالی

حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ العزیز

خاکِ دہلی معلّی کے تقدس کی قسم
تیرا در آج بھی ہے چشمہ الطاف و کرم
تیرا در جس سے عبارت ہے محبت کا جمال
جگمگاتی ہے جہاں روشنیٔ شمعِ حرم
جس کے انوار سے تابندہ ہیں آنکھوں کے چراغ
نور سے جس کے فروزاں ہیں دلوں کے عالم
دل میں اخلاص اگر ہو تو سبھی کچھ ہے یہاں
بخشش و فیض و عطا، جود و سخا لطف و کرم

(سردار علی احمد خان)

محبوب الٰہی حضرت نظام الدین پیاؒ

آسمان اوج ایمان ہیں نظام الدین پیا
آفتاب برج عرفان ہیں نظام الدین پیا
شان محبوبی عطا کی آپ کو اللہ نے
عالم معنی کے سلطان ہیں نظام الدین پیا
نور چشم مرتضی لخت دل خیر النسا
مقتدائے جن و انساں ہیں نظام الدین پیا
آپ کی ذات مقدس حق نما اک آئینہ
واقف اسرار پنہاں نظام الدین پیا
آپ سے ہے ظلمت آباد زمانہ کو فروغ
مطلع مہر درخشاں ہیں نظام الدین پیا
مورد فیض الٰہی ہیں جہاں میں رات دن
مصدر برکات و ایقان ہیں نظام الدین پیا
خدمت حضرت سے ملتی ہے سخاوت خلق کو
درد محرومی کے درماں ہیں نظام الدین پیا
کیوں نہ ہو مخلوق فیض بے کراں سے کامیاب
مثل قلزم گوہر افشاں ہیں نظام الدین پیا
گوہر مقصد سے بھر دیتے ہیں دامان امید
بہر طالب ابر نیساں ہیں نظام الدین پیا

منقبت درشان محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلوی

اے نظام الدین محبوب خدا۔ اعتبار فقر شاہ اولیا
مرشد کامل فرید الدین را۔ جانشین و صاحب علم و ہدی
از تو دہلی شد منور با چراغ۔ بحر عرفاں را تو گوہر بے بہا
فیض تو جاری و ساری ہنوز۔ از تجلیات، عالم پر ضیا
در دل تو عشق احمدؐ جا گزیں۔ مسلک تو اتباع مصطفیٰ
جرعہ کش از بادہ تو عارفاں۔ بیخود و سرشار از جام صفا
در رہ کیف و سرور و جذب عشق۔ کارواں شوق را تو رہ نما
سینہ ہا پرنور از تنویر حسن۔ از تو دلہا شد حقیقت آشنا
عاشق تو خسرو شیریں سخن۔ ہمچو بلبل پیش تو نغمہ سرا
از فروغ تو نصیرالدین چراغ۔ ضوفشاں در بزم دین و ابقا
چشتیاں را از تو روشن سلسلہ۔ رہنمائی از تو در راہ ہدی
گرد شمع نور تو پروانہ وار۔ اولیا و اتقیا واصفیا
تومہ تابان و مشتاقاں بخوم۔ روشن از نور و ضیا، ارض و سما
خاکساراں پیش تو عالی مقام۔ بردرت شاہان عالم چوں گدا
مرقد تو مرجع اہل نظر۔ از زیارت قلب را نور و صفا
زائران ملک پاکستان ہم۔ از عقیدت بردرت مدحت سرا
از تو امید کرم داریم ما۔ تو کہ محبوب الٰہی ، اولیا
بہر ما از حق دعائے خیر کن
ما غریباں، عاصیان و بے نوا

ہے فخر داخل سر حلقہ غلامی ہوں
انہی کا بستہ زنجیر ہوں، نظامی ہوں
عقیدت ان کی مرے قلب میں ہے ضوفشاں
پیام معرفت حق کا میں پیامی ہوں
حضور قلب میں موجود مثل روح رواں
اسیر، زلف معنبر کا میں دوامی ہوں

آستانہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلی پر حاضری کے وقت
(یہ اشعار مورخہ 15 مارچ 1979ء کو فی البدیہہ پیش کیے)

مندرجہ ذیل اشعار فی البدیہ ختم فاتحہ حضرت نظام الدین گر آستانہ عالیہ پیش گئے

در سلطان جیؒ ہے اور میں ہوں
فیض دائمی ہے اور میں ہوں
فضا مہکی ہوئی، نوروں نہائی
عجب سی بے خودی ہے اور میں ہوں
سگ دربار حاضر آ گیا ہے
محبت آپ کی ہے اور میں ہوں
کھلے ہیں پھول انوارِ نبیؐ کے
بہار زندگی ہے اور میں ہوں
مرے بے چین سجدے، مضطرب روح
مری دیوانگی ہے اور میں ہوں

ز فیضان نظام الدین بہر سو نور اتر آئے
سبھی ویراں درختوں پر اجالوں کے ثمر آئے
غموں کی گرد مایوسی جو چہرے تھے آلودہ
مرے سلطان جی کے نور سے ڈھل کر نکھر آئے

منقبت درشان محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلوی

اے نظام الدین محبوب خدا۔ اعتبار فقر شاہ اولیا
مرشد کامل فرید الدین را۔ جانشین و صاحب علم و ہدیٰ
از تو دہلی شد منور با چراغ۔ بحر عرفاں را تو گوہر بے بہا
فیض تو جاری و ساری ہنوز۔ از تجلیات، عالم پر ضیا
در دل تو عشق احمدؐ جا گزیں۔ مسلک تو اتباع مصطفیٰ
جرعہ کش از بادہ تو عارفاں۔ بیخود و سرشار از جام صفا
در رہ کیف و سرور و جذب عشق۔ کارواں شوق را تو رہ نما
سینہ ہا پرنور از تنویر حسن۔ از تو دلہا شد حقیقت آشنا
عاشق تو خسرو شیریں سخن۔ ہمچو بلبل پیش تو نغمہ سرا
از فروغ تو نصیرالدین چراغ۔ ضوفشاں در بزم دین و ابقا
چشتیاں را از تو روشن سلسلہ۔ رہنمائی از تو در راہ ہدیٰ
گرد شمع نور تو پروانہ وار۔ اولیا و اتقیا واصفیا
تومہ تابان و مشتاقاں بخوم۔ روشن از نور و ضیا، ارض و سما
خاکساراں پیش تو عالی مقام۔ بردرت شاہان عالم چوں گدا
مرقد تو مرجع اہل نظر۔ از زیارت قلب را نور و صفا
زائران ملک پاکستان ہم۔ از عقیدت بردرت مدحت سرا
از تو امید کرم داریم ما۔ تو کہ محبوب الٰہی ، اولیا
بہر ما از حق دعائے خیر کن
ما غریباں، عاصیان و بے نوا

ہے فخر داخل سر حلقہ غلامی ہوں
انہی کا بستہ زنجیر ہوں، نظامی ہوں
عقیدت ان کی مرے قلب میں ہے ضوفشاں
پیام معرفت حق کا میں پیامی ہوں
حضور قلب میں موجود مثل روح رواں
اسیر، زلف معنبر کا میں دوامی ہوں

آستانہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلی پر حاضری کے وقت
(یہ اشعار مورخہ 15 مارچ 1979ء کو فی البدیہہ پیش کئے)

نذرِ امیر خسروؒ

چو او بر لطف مائل بود، در محفل کہ من بودم
نشاطِ زیست حاصل بود، در محفل کہ من بودم

نماندہ رنج ، مہجوری منور شد دل تیرہ
درخشاں ماہ کامل بود، در محفل کہ من بودم

حجاب از عاشقاں تاکہ، بالآخر بسوئے ما آمد
نقاب اُو نہ حائل بود، در محفل کہ من بودم

بدیدن عاشقاں از حال بے حالی شدہ بسمل
نگاہ یار قاتل بود، در محفل کہ من بودم

عطائے او چو دیدہ حالی زار خستہ جانم را
کرم برحال سائل بود، در محفل کہ من بودم

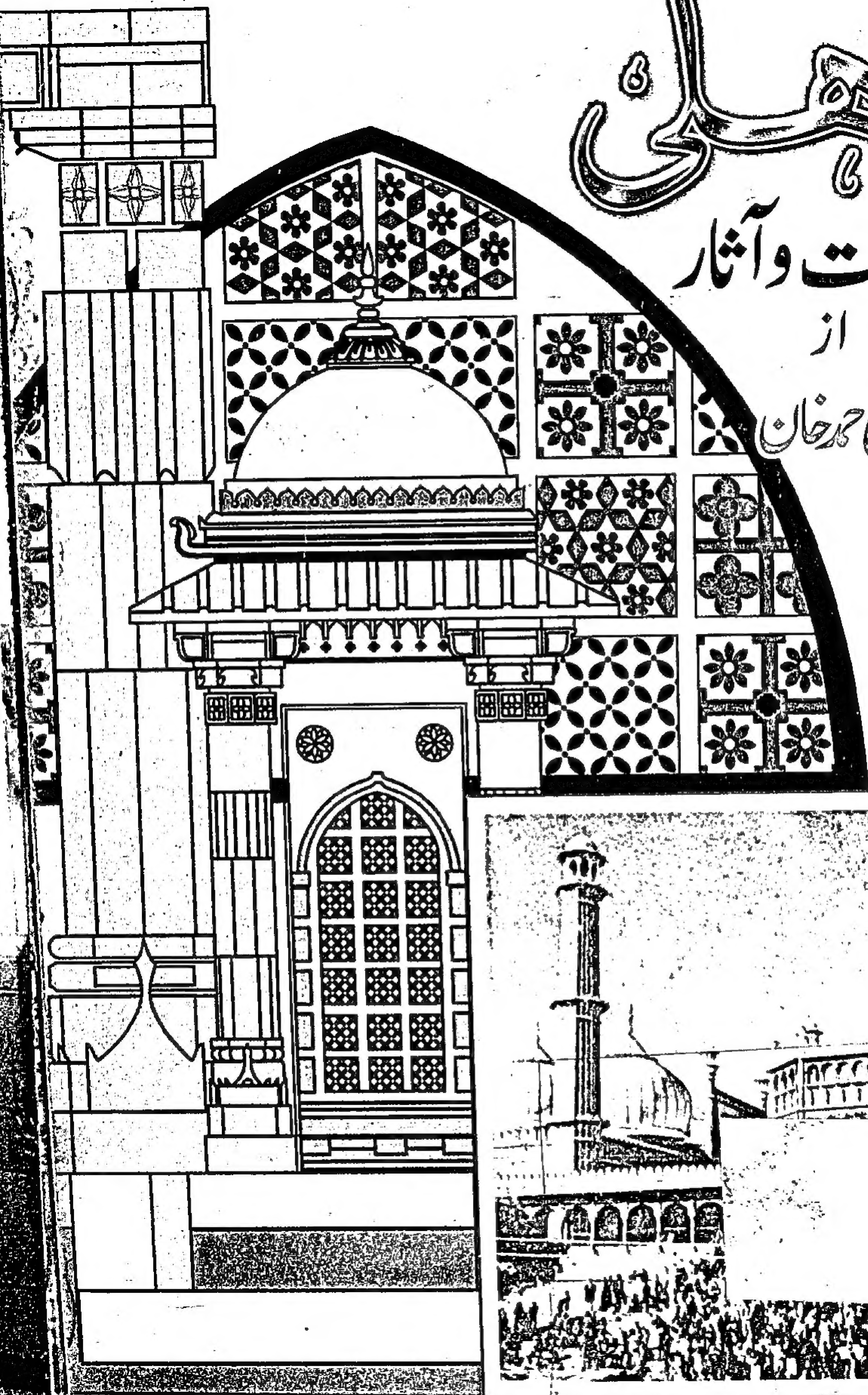
نگاہ نازخیرہ کرد چشم منتظر یکدم
شرار طور مشعل بود در محفل کہ من بودم

عرس حضرت امیر خسروؒ کے موقع پر دہلی میں پڑھے گئے

خسرو ملک معانی مہر عالم تاب علم
آستانت تا ہنوز ست مرجع ارباب
ذرہ فیضان تو خورشید فضل و دانشت
قطرہ دریائے تو گوہرز آب و تاب علم
گر قبول افتد سلامے ایں مریدے بے نوا
صبح روشن از جمالت شام ہا از نواب، علم
نثر ہائے تو مزین ہمچوکان جوہر ست
شعر ہائے تو درخشاں گوہر نایاب علم
روضہ تو مخزن جودؒ و عطاء، کان کرم
عقل و دانش را خزینہ گوشۂ محراب علم
شاعران فارسی در ہند ہمچو انجم اند
ہر سپہر شاعری تو مہر عالمتاب و علم
سرزمین ہند بودے ہمچو صحرا و سراب
جوئے شعر چوں طوفان آمدہ سیلاب علم
چوں زبان تو در افشاں بود از فیض سخن
در کلام تو درخشاں گوہر نایاب علم
بسکہ شعر تو رو عشق حقیقی و انمود
شاعران از شعر تو آموختہ آداب علم

بیاد مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی

کیا کہنے ترے شعر کے اے غالب بے مثل
شوخی بھی، تغزل بھی ہے اور حسن بیاں بھی
اخلاق و تصوف بھی ہے اور رندی و مستی
پیری کی شکایت بھی ہے اور عشق جواں بھی
کیفیت دیدار سے سرشار کبھی تو
ہے سختی ہجراں سے کبھی آہ و فغاں بھی
ہر شعر ترا مطلع انوار معانی
اعجاز تخیل بھی ہے اور سحر بیاں بھی
انداز نرالا ہے ترا، طرز انوکھا
ہے ذہن رسا تیرا تو ہے طبع رواں بھی
ہیں شعر صدف وار، پُر از گوہر معنی
اور سلک جواہر ہے تری نثر رواں بھی
سو سال گزرتے ہیں کہ دنیا میں نہیں تو
یکتائے سخن اب بھی مطلوب جہاں بھی



دہلی

زیارات و آثار

از

سردار علی احمد خان